الجواب الباهر

اردو

فی زوّارِ المقابر

تالیف

الامام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

الجواب الباہر

فی زوار المقابر

تالیف

شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن تیمیہ رحمہ اللہ

٧٢٨	٦٦١

ترجمہ

عطاء اللہ [illegible]

وقف للہ تعالیٰ

حقوق الطبع محفوظة

لرئاسة إدارات البحوث العلمية والدعوة والإرشاد

الرياض

المملكة العربية السعودية

مكتب الدعوة بباكستان

لطباعة

ایڈمرل پرنٹنگ پریس

غلہ منڈی۔ امین پور بازار۔ فیصل آباد

۱

فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيٰوةً طَيِّبَةً

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ الحرانیؒ

شجرۂ نسب:۔

تقی الدین ابوالعباس احمد بن شہاب الدین ابوالمحاسن عبدالحلیم بن مجدالدین ابوالبرکات عبدالسلام بن ابومحمد عبداللہ بن القاسم الخضر بن علی بن عبداللہ۔ یہ خاندان، خاندان ابنِ تیمیہ کے نام سے مشہور ہے۔

وجہ تسمیہ:۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دادی بہت بڑی واعظہ تھیں۔ اِن کا نام تیمیہ تھا۔ اسی مناسبت سے اِس خاندان کا نام "خاندانِ ابن تیمیہ" پڑ گیا۔

ولادت:۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۰ ربیع الاوّل کو حرّان نامی بستی میں ہوئی۔

اِبتدائی حالات:۔

چھ سال کی عمر تک امام صاحب اسی بستی میں مقیم رہے۔ ابھی عُمر کے ساتویں سال میں تھے کہ تاتاریوں نے اِس بستی پر غارت گری کی۔ ان کے ظلم وستم سے تنگ آ کر یہاں کے باشندوں نے سکونت ترک کر کے اِدھر اُدھر پناہ لینا شروع کی۔ خاندانِ ابنِ تیمیہ کے کچھ لوگ ہجرت کر کے دمشق کی طرف بڑھے لیکن راستہ اِنتہائی پُرخطر تھا۔ نہ امن میسّر تھا نہ سکون۔ اِس ذہنی پریشانی کے ساتھ راستہ کی دشوار گزاری اور زیادہ تکلیف کا باعث تھی، رات کی تاریکیوں میں سفر جاری رکھنے والے یہ لوگ ایک خانوادۂ علم کے افراد تھے۔ ہر آن یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں دُشمن

سر پر نہ پہنچ جائے، لیکن اللہ نے دستگیری فرمائی اور قافلہ ظالموں اور سفاکوں سے بچتا بچاتا منزلِ مقصود تک پہنچ گیا۔

تعلیم و تربیت:-

چونکہ امام تقی الدین ابن تیمیہؒ کا خاندان علم میں ایک ممتاز مقام رکھتا تھا، اِس علمی گہوارہ میں آپ نے آنکھ کھولی۔ بچپن ہی سے علم کی طرف راغب ہوگئے۔ چھوٹی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ شوقِ تلاوت کا یہ عالم تھا کہ جیل کی زندگی میں ۸۰ سے زیادہ قرآن مجید ختم کیے قرآنِ مجید ختم کر لینے کے بعد حدیث اور لُغت کی طرف متوجہ ہوئے، احکامِ فقہ کی معرفت حاصل کی اور ان کا بڑا حصّہ ازبر کر لیا۔

امام صاحب کے والد شیخ الحدیث کے مقام پر فائز تھے۔ چنانچہ امام صاحب نے صحیح بخاری، مسلم، مسند امام احمد، جامع ترمذی، سُنن ابی داؤد، سُنن نسائی، سُنن ابن ماجہ، سُنن دارقطنی کی بار بار سماعت کی۔ حدیث میں سب سے پہلے جو کتاب امام صاحب نے حفظ کی وہ امام حمیدی کی کتاب "الجمع بین الصحیحین" ہے۔ اِمام صاحبؒ کے بعض معاصرین کا بیان ہے کہ آپ نے جن شیوخ سے سماعت کی ان کی تعداد ۲۰۰ سے متجاوز ہے۔ حدیث کے ساتھ ساتھ دُوسرے عُلُوم و فنون کے حصُول پر بھی توجہ مبذول فرمائی۔ چنانچہ عُلُومِ ریاضی میں خاصی دسترس حاصل کی۔ عُلُومِ عربیّہ کی طرف خاص طور پر زیادہ توجہ کی۔ یہ عُلُوم تو اس طرح حاصل کیے جیسے یہی ان کا منشا اور مقصد تھا چنانچہ عربی زبان کا بہت سا کلامِ نظم اور نثر زبانی حفظ کر لیا جنگ و پیکار کی تاریخ پر عبور حاصل کیا۔ مسلمانوں کے عہدِ زرّیں کے حالات و کوائف کا خُوب اچھی طرح مطالعہ کیا۔ عروج و زوال کی داستانیں پڑھیں اور ان کے اسباب و علل کو گہری نظر سے دیکھا۔ فنِ نحو میں خصوصی دسترس حاصل تھی۔ کتاب "سیبویہ" آپ کو زبانی یاد تھی۔ ان عُلُوم و فنون کے ساتھ فقہ حنبلی کا درس بھی جاری تھا۔ ایک طرف تو یہ کیفیت تھی کہ امام صاحبؒ عُلُوم و فنون میں غیر معمولی طور پر منہمک تھے اور دُوسری طرف یہ عالم تھا کہ دل و جان سے

تفسیر قرآن کے اسرار و رموز کی گرہ کشائی میں لگے ہوئے تھے۔ قرآن فہمی کے لیے تمام متعلقہ علوم و کتب کو کھنگال ڈالا۔ ایک ایک حرف کا پوری توجہ سے مطالعہ کیا۔

امام صاحبؒ کی ہمہ گیر شخصیت :-

مختصر یہ کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ذہن و دماغ کی تربیت بہت عمدہ طور پر کی، انہوں نے وہ تمام علوم حاصل کیے جو ان کے زمانے میں رائج تھے، علم کا کوئی ایسا مرکز نہ تھا جس کے دروازے پر دستک نہ دی ہو۔ امام صاحب کے ایک ہمعصر علامہ کمال زملکانی نے ان کے بارے میں کیا خوب کہا ہے :

"اللہ تعالیٰ نے امام ابن تیمیہؒ کے لیے علوم کو اس طرح کر دیا جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا، جب کسی علم و فن کے بارے میں ان سے سوال کیا جاتا تو دیکھنے سننے والوں کو ان کی رائے سن کر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس فن کے سوا امام صاحب کچھ اور نہیں جانتے اور یہ کہ اس فن میں امام صاحب کا کوئی حریف و مقابل نہیں۔ ہر مکتبِ خیال کے فقہائے کرام جب آپ کے دربارِ علم میں حاضر ہوتے تو خود اپنے مسلک کے بارے میں ان کے ہاں ایسی باتیں حاصل کرتے تھے، جن سے اب تک وہ خود ناواقف تھے اور یہ کبھی نہیں ہوا کہ کسی شخص سے وہ مناظرہ کریں اور لاجواب ہو کر رہ جائیں۔ وہ ہر علم پر ماہرانہ گفتگو کرتے تھے خواہ وہ شرع و دین سے تعلق رکھتا ہو یا دنیاوی فنون سے متعلق ہو۔ جس علم پر بھی گفتگو کرتے تھے، معلومات سے اس علم کے ماہرین کو بھونچکا کر دیتے تھے۔"

کیا امام ابن تیمیہؒ عرب تھے ؟

مؤرخین نے کسی ایسے عرب قبیلے کا ذکر نہیں کیا جسے خاندانِ ابنِ تیمیہ کی جڑ قرار دیا جا سکے۔ وہ حران شہر کے رہنے والے تھے، اسی نسبت سے امام صاحبؒ حرانی کہلائے۔ مؤرخین

نے قبائل عرب میں سے کسی قبیلہ کی طرف امام صاحبؒ کو منسوب نہیں کیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام موصوف عربی نہیں تھے۔ غالب قیاس یہ ہے کہ وُہ کرد تھے۔ کُرد قوم بڑی بہادر، باحوصلہ اور عالی ہمت قوم ہے۔ اس قوم کے کردار و سیرت میں قوت کا رنگ بھی جھلکتا ہے اور حلم و بردباری کا بھی اور یہ تمام صفات امام صاحب میں واضح اور نمایاں طور پر موجود تھیں، اگرچہ ان کی نشوونما ایسے لوگوں میں ہوئی تھی جو علم و فضل، دانش و بینش، تحقیق و تدقیق اور غور و فکر کے مردِ میدان تھے۔

محرابِ علم سے میدانِ جہاد کی طرف :-

امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سکون سے اپنے فرائض کی بجاآوری میں مصروف تھے۔ وُہ مدرسہ میں درس دیتے اور تحقیق و تدقیق کے جوہر دکھاتے، مسجد میں وعظ و ارشاد کی محفلیں منعقد کر کے سننے والوں کے قلوب میں سوز و گداز کی کیفیت پیدا کرتے۔ وعظ و ارشاد کی مجلس میں ان کا بیان آبِ کوثر کی طرح پاک اور صاف ہوتا۔ لوگوں کے سامنے وُہی دین پیش کرتے جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا، لیکن اس درس و تدریس کے ساتھ ساتھ جذبۂ جہاد اسی طرح قائم رہا۔ حق و صداقت کے لیے سینہ سپر رہتے۔ جو بات خلافِ حق نظر آتی اس کے خلاف ڈٹ جاتے، حکام و عمال کے پاس پہنچتے اور فریضۂ تبلیغ حق سے عہدہ برآ ہوتے۔ امام صاحب موصوف رحمۃ اللہ علیہ بیک وقت صاحبِ علم و قلم اور صاحبِ سیف مجدد تھے۔

عشقِ رسولؐ کی چنگاری :-

۶۹۳ھ میں باوثوق ذرائع سے امام صاحبؒ تک یہ خبر پہنچی کہ ایک نصرانی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی ہے، پھر وُہ رائے عامہ کے اشتعال سے خوفزدہ ہو کر ایک بدوی کے گھر پناہ گزیں ہو گیا ہے۔ اس نے عوام کے جوش و غضب سے اس کی حفاظت کی۔ امام صاحب کے لیے یہ بات ناقابلِ برداشت تھی جس پر سکوت کسی طرح بھی اختیار نہ کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ وہ دمشق کے نائب السلطنت کے پاس پہنچے اور اس سے ماجرا بیان کیا۔

اُس نے نصرانی کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ وہ حاضر ہُوا، اس کے ساتھ بدوی بھی تھا جس نے اسے پناہ دے رکھی تھی۔ بدوی نے مظاہرہ کرنے والوں کے خلاف دشنام طرازی شروع کر دی۔ لوگ مشتعل تو تھے ہی، اُنہوں نے نصرانی، بدوی اور اس کے ساتھیوں پر سنگباری شروع کر دی۔ حاکمِ دمشق نے امام صاحب سے، اِس الزام میں کہ انہوں نے لوگوں کو بھڑکا کر نصرانی کے خلاف امنِ عامہ کو درہم برہم کیا تھا، تشدد کا برتاؤ کیا۔ اِس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ درس و تدریس کی پابندیوں نے بھی اس مردِ جلیل کو دین و مذہب کے مسائلِ عامہ سے مستغنی اور بے پرواہ نہیں کر رکھا تھا وُہ دین کی حمایت و نصرت کے لیے کسی سے بھی ٹکر لینے میں جھجک محسُوس نہیں کرتے تھے۔ وُہ درس کے حلقہ سے اٹھ کر میدان میں آتے اور دشنامِ رسُولؐ کے مجرموں کے خلاف عوام کی رہنمائی کرتے اور اس سِلسلہ میں جو تکلیف، پریشانی یا مصیبت آتی اس کا مردانہ وار مقابلہ کرتے۔

تصنیفات :۔

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی عُمر سترہ سال کی تھی جب اُنہوں نے قلم سنبھالا اور پینتالیس سال کی عمر تک یہ قلم پُورے زور سے رَواں دَواں رہا۔ اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی حافظہ، محیّر العقول حافظہ اور نُدرت افزا فہم سے نوازا تھا۔ سُرعتِ قلم کا یہ عالم تھا کہ بعض اوقات ایک ہی دن میں علمی اور تحقیقی رسالہ مرتّب کر دیتے۔ لوگ مشکل مسئلے لے کر آجاتے اور امام موصوف جواب میں کئی کئی صفحات لکھ دیتے۔ ان حالات میں کیسے صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ زندگی میں آپ نے کیا کچُھ لکھا اور اگر آپ کی تمام کتب کو مرتّب کیا جائے تو کتنے ہزار صفحات بن جائیں۔ یہی اور اِس قسم کی دُوسری ممتاز خصوصیات تھیں جن کی بنا پر آپ اپنے عہد میں مرجعِ عالم شخصیت قرار پائے تھے اور اگرچہ وفات پر نویں صدی گزر رہی ہے تاہم آپ کی ہر تحریر کو آج جو بلند مقام حاصل ہے، اس کی مثال نہ پہلے ملتی ہے نہ اب۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے امام موصوف کی زندگی ہی میں ایک مرتبہ تحریر فرمایا کہ "آپ کی تصانیف کی تعداد پانچ سو تک

جا پہنچی ہو تو بعید نہیں۔" اِس کے بعد غالباً بعداز وفات لکھا کہ "ہزار سے اُوپر تعداد ہو گئی ہے۔"
تصنیفات کے نام اگر دیکھنا مقصود ہوں تو "حیاتِ شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ" مصنفہ ابوزہرہ کی طرف مراجعت فرمائیں۔ بلاشبہ امام صاحبؒ کی زندگی پر یہ ایک مبسُوط کتاب ہے۔ مَیں نے بھی اسی کی خوشہ چینی کر کے امام صاحبؒ کی زندگی کی چند جھلکیاں قارئین کی خدمت میں پیش کی ہیں۔

تلامذہ :۔

امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے دَور میں ہمیں کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا جو شاگردوں کی زیادتی میں شیخ تقی الدین ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہم پایہ ہو۔ مصر و شام میں اور پھر مصر کے اندر اسکندریہ اور قاہرہ کے مابین ان کے شاگردوں کی تعداد حدِ شمار سے خارج تھی، لیکن وہ مخصوص شاگرد جنہوں نے صحیح معنوں میں آپ کی جانشینی کے فرائض سرانجام دیے، اُن کے نام درج ذیل ہیں:

نمبر شمار	نام	وفات
۱	حافظ ابن قیم الجوزی رحمۃ اللہ علیہ	سنہ ۷۵۱ھ
۲	حافظ ابن الھادی رحمۃ اللہ علیہ	سنہ ۷۴۴ھ
۳	حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ	سنہ ۷۷۴ھ
۴	حافظ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ	سنہ ۷۴۸ھ
۵	محمد بن مفلح رحمۃ اللہ علیہ	سنہ ۷۶۳ھ
۶	ابن قاضی الجبل رحمۃ اللہ علیہ	سنہ ۷۷۱ھ
۷	ابوحفص ابزار رحمۃ اللہ علیہ	سنہ ۷۴۹ھ
۸	ابن سعد اللہ حرانی رحمۃ اللہ علیہ	سنہ ۷۴۹ھ
۹	ابن الوردی رحمۃ اللہ علیہ	سنہ ۷۴۹ھ
۱۰	الدباھی الزاہد رحمۃ اللہ علیہ	سنہ ۷۱۱ھ
۱۱	قاضی ابن فضل اللہ رحمۃ اللہ علیہ	سنہ ۷۴۹ھ

یہ وہ کبار شاگرد ہیں جنہوں نے امام ابنِ تیمیہؒ سے فیضِ علم حاصل کیا اور صحیح معنوں میں آپ کے جانشین بنے۔

سفرِ آخرت :

ہنگامہ خیز زندگی گزارتے ہوئے بالآخر وُہ وقت آ ہی گیا جو ہر ذی روح کی انتہا کہلاتا

ہے۔ اللہ سبحانہ نے امام صاحبؒ کی رُوح کو اپنے حضور طلب کر کے اپنی خوشنودی اور رضا کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔

۲۰، ذوالقعدہ سنہ ۷۲۸ھ / سنہ ۱۳۲۸ء کو امام صاحبؒ اِس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔ امام صاحبؒ کے بھائی زین الدین عبدالرحیم کا کہنا ہے کہ پانچ ماہ کی مدت میں ہم دونوں نے اسّی قرآن مجید بطور دَور ختم کیے۔ ۸۱ ویں مرتبہ شروع کر کے سُورۃ القمر کی آیت اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ○ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ○ تلاوت کر رہے تھے کہ رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر کے خالقِ حقیقی سے جا ملی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیہِ راجعون۔

کم و بیش بیس دِن بیمار رہے لیکن جیل سے باہر عام طور پر بیماری کی اطلاع نہیں ہوئی۔ سوموار کی رات ۲۰، ذوالقعدہ کو سحری کے وقت انتقال ہُوا۔ خبرِ وفات کا اعلان قلعہ (جس میں آپ محبوس تھے) کے مینار سے علی الصباح کر دیا گیا۔ اِس ناگہانی خبر سے کہرام مچ گیا۔ سارے شہر میں صفِ ماتم بچھ گئی، بازار بند ہو گئے۔ دکانوں پر کھانا تک اِس دن نہیں پکا۔ زیارت کرنے والے لوگوں کا ہجوم قلعہ کے پاس ہو گیا۔ قلعے کا دروازہ کھول کر داخلے کی عام اجازت دے دی گئی۔ عُلماء، وزراء، اُمراء، عوام، اقارب سب امام صاحبؒ کے پاس آتے تھے اور زار و قطار روتے تھے۔ زیارت کے لیے پہلے مرد آئے پھر عورتیں آئیں۔ غسل کے وقت سب لوگ چلے گئے، صرف غسل دینے والے علماء و اعیان کی ایک جماعت رہ گئی جس میں مشہور اور جلیل القدر محدّث اور آپ کے خاص معتقد ابوالحجاج بھی تھے۔

غسل کے بعد جنازہ اُٹھایا گیا، ہجوم بہت زیادہ ہو گیا۔ قلعہ میں پہلی نمازِ جنازہ شیخ محمد بن تمام نے پڑھائی۔ اِس کے بعد جنازہ جامع اموی میں لایا گیا۔ نمازِ ظہر کے بعد جنازہ کی نماز پڑھی گئی جس کی امامت نائب خطیب شیخ علاء الدین بن الحراط نے کرائی۔ پھر وہاں سے جنازہ اُٹھا، ہجوم اِس قدر تھا کہ شہر کا شہر اُمڈ کر آ گیا تھا۔ عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ معذوروں کے سوا سب

ہی اہلِ شہر جنازہ کے ساتھ شامل تھے۔ آنکھیں اشکبار تھیں، مدحیہ و دعائیہ کلمات زبان پر تھے۔ ہر ایک فرطِ عقیدت سے جنازہ سے مس کرنا چاہتا تھا۔ شدتِ اژدہام کی وجہ سے جنازہ کی حفاظت و انتظام کے لیے فوج کو جنازہ گھیرے میں لینا پڑا۔ ہجوم لحظہ بہ لحظہ بڑھتا ہی گیا۔ دمشق سے باہر ایک وسیع میدان میں جنازہ رکھ دیا گیا۔ تیسری نمازِ جنازہ علامہ زین الدین عبدالرحمٰن نے پڑھائی اور عصر کے قریب اس آفتابِ علم اور مجددِ ملت کو اپنے بھائی شرف الدین عبداللہ کے پہلو میں سپردِ خاک کردیا گیا۔

دمشق کی تاریخ میں اس قسم کے جنازہ کی مثال نہیں ملتی۔

امطرُ اللہ غیث رحمتہ وانزلہ منزلۃ الصدیقین فی فسیح جنتہ۔

آمین!

مَحْمُوْد احمد غضنفر

مبعوث رئاسة البحوث العلمية والافتاء

والدعوة والإرشاد - بالرياض

المملكة العربية السعودية

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَحَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا اَمَّا بَعْدُ

احمد ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ:۔ جب مجھے اِس بات کا علم ہوا کہ سلطان معظم ملک ناصر ایدہ اللہ وسددہٗ (اللہ ان کی مدد فرمائے اور انہیں صراطِ مستقیم پر چلائے) نے مجھ سے تحریری طور پر چند سوالات کا جواب طلب کیا ہے تو میں نے اختصار سے جواب دیا تھا کیونکہ جواب جلدی طلب کیا گیا تھا۔

اب ہم اسی جواب کو ذرا تفصیل سے عرض کرتے ہیں تاہم اس میں بھی اختصار پیش نگاہ رہے گا۔ اس سلسلے میں ہم اہلِ اسلام کی کتب کی عبارات نقل کریں گے جن میں اکثر قدیم اور چند ایک جدید شائع ہوئی ہیں۔ ان میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین، ائمہ اربعہ رحمہم اللہ اور ان کے اتباع کرنے والوں کے اقوال پیش کریں گے جو ہمارے فتویٰ کے موافق اور تائید میں ہیں کیونکہ سابقہ فتویٰ تشریح کا متحمل نہ تھا۔ تحریر کردہ روایات اور اقوالِ صحابہ و تابعین اور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ وغیرہ ایسے ٹھوس اور مدلل ہیں جو ناقابل تردید ہیں۔

بعض لوگوں نے اس کا جواب دینے کی ناکام کوشش کی ہے جس کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ مخالفین کے پاس نہ تو علم ہے اور نہ کوئی صحیح نقل۔ انہوں نے نہ تو رسول اکرم ﷺ کی حدیث پیش کی نہ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کا قول نقل کیا

نہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کی کوئی صحیح بات لکھی اور وہ معتمد علیہ کتب میں سے کوئی کتاب بھی پیش نہ کر سکے جس میں ائمہ اسلام کا کوئی قول درج ہو اِن بے چاروں کو یہ بھی علم نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ قبرِ مکرم اور دیگر مقابر کی زیارت کیسے کیا کرتے تھے۔

میرا تحریر شدہ فتویٰ موجود ہے اور اسی طرح میری کئی تحریریں موجود ہیں جنھیں مشرق و مغرب کے تمام اہلِ علم کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے۔ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ ہمارے تحریر کردہ فتویٰ کے خلاف کچھ معلومات ہیں تو اُن کو وضاحت سے پیش کرے تاکہ ان کی صحتِ دلیل کا علم ہو سکے۔

سُلطانِ معظم جب ہماری تحریر کردہ احادیث اور اقوال ائمہ۔ اور مخالف فریق کے دلائل سامنے رکھیں گے تو ہمیں یقین ہے کہ حق ایسے سُورج کی طرح واضح ہو جائے گا جیسے سُلطان کا ادنیٰ خادم بھی پہچان سکتا ہو سُلطان موجودہ دَور کی بے مثل شخصیت ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے۔

پس حق بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے کیونکہ حق وُہی ہے جسے انبیاء علیہم السلام نے پیش کیا عقلمند اور عارف انسان حق و باطل میں اسی طرح فرق کر لیتا ہے جس طرح سُنار کھرے اور کھوٹے سونے میں امتیاز کر لیتا ہے۔ ربِّ کریم نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دلائل و براہین کو روزِ روشن کی طرح واضح کر دیا ہے۔ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پوری کائنات سے بہتر اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے افضل ترین انسان ہیں۔ اور علمائے اُمت انبیاء کے وارث ہیں ان کا فرض ہے کہ وُہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و فرامین کو دُنیا کے سامنے بیان کریں اور خلافِ شرع امور کی تردید کریں۔

سب سے پہلے اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کون کون سے ارشادات فرمائے ہیں۔ کیونکہ جھوٹی روایات بکثرت پائی جاتی ہیں جو آپ پر

بہتان ہیں۔ بعض افراد نے ان مسائل پر کچھ کتب بھی لکھی ہیں جن میں رسولِ اکرم ﷺ اور صحابہ پر کذب و افترائے سے کام لیا گیا ہے جس کی وجہ سے بعض جاہل لوگ دھوکا کھا گئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ لکھنے والوں کی نیّت صاف ہو اور وُہ محبِ رسُول ﷺ اور آپ کی عظمت کے قائل بھی ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وُہ صدق و کذب میں فرق نہیں کر سکے۔

بعض مصنفین نے جب دیکھا کہ کچھ روایات اور اقوالِ صحابہ کسی خاص جگہ کی فضیلت کے بارے میں ہیں تو انہوں نے ان کو صحیح سمجھ کر ان پر اعتماد کر لیا حالانکہ وُہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہی نہ تھے بلکہ موضوع تھے۔

جب ایک عالم شخص فرمانِ رسُول ﷺ اور عام آدمی کی بات میں امتیاز کرے گا تو پھر وُہ اس بات کا محتاج ہوگا کہ فرمانِ رسُول ﷺ اور آپ کی مُراد کو سمجھے اور تمام احادیث کو سامنے رکھ کر ہر ایک حدیث کو اپنی اپنی جگہ پر رکھے اور پھر ان امور کو جمع کرے جن کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے جمع کیا۔ اور ان امور میں تفریق کرے جن میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول نے تفریق کی ہے۔

یہی وُہ علم ہے جس سے مسلمان فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ یہی وُہ ذخیرہ ہے جسے مسلمانوں کو قبول کرنا چاہیے اور اسی جوہرِ بے مثل کی روشنی میں علمائے اسلام اور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ نے اُمت کی سیادت و رہنمائی کی۔

سُلطانِ معظم ایدہ اللہ وسددہٗ زیادہ حق دار ہیں کہ وُہ دینِ اسلام اور شریعتِ محمدیہ کی مدد و نصرت کے لیے اپنی طاقت استعمال کریں اور جو شخص بغیر علم کے فتویٰ دیتا اور دینِ اسلام کی مخالفت کرتا ہو اور ایسے امور کی اجازت دیتا ہو جن سے رسُولِ اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے اور دین کی شمع کو بجھانے کی سعی بے سُود کرتا ہو وُہ جہالت کی بنا پر کرتا ہو یا ہوائے نفس کی وجہ سے اُسے روکے اور اس کے مُنہ میں لگام

دے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ان دونوں برائیوں "جہالت اور خواہشات نفسانی کی پیروی" سے محفوظ رکھا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے۔

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى ۙ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۚ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۗ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۙ النجم

قسم ہے تارے کی جب کہ وہ غروب ہوا تمہارا رفیق نہ بھٹکا ہے نہ بہکا ہے۔ وہ اپنی خواہشِ نفس سے نہیں بولتا۔ یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔

جو لوگ اللہ جل وعلا، شریعتِ مطہرہ، صحابہ کرامؓ۔ تابعینؒ۔ ائمہ اسلامؒ اور ان لوگوں کی مخالفت کرتے ہیں جو سُنّت اور اس کے مقصد کی قدر و بہر معرفت رکھتے ہیں ان کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔

اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ۗ (النجم - ۲۳)

حقیقت یہ ہے کہ لوگ محض وہم و گمان کی پیروی کر رہے ہیں۔ اور خواہشاتِ نفس کے مرید بنے ہوئے ہیں۔ حالانکہ ان کے رب کی طرف سے انکے پاس ہدایت آ چکی ہے۔

پس سُلطانِ معظم کے سامنے جب حقیقتِ حال اور مسئلہ کی حقانیت واضح ہو جائے تو وہ صاحب قوت و اقتدار ہے، اس پر واجب ہے کہ وہ اللہ کے راستے میں جہاد کرے تاکہ اللہ کا دین اور اسکا کلمہ بلند ہو توحید کی حقیقت واضح ہو اور افضل رسل ﷺ اور خاتم النبیین ﷺ کی رسالت و نبوت نکھر کر لوگوں کے سامنے آ جائے ہدایت اور دینِ حق اور نورِ الٰہی جو آپؐ کی طرف وحی کیا گیا ہے اس کا اظہار ہو۔ جاہلوں کی جہالت اور جھوٹوں کے کذب و افترا سے شریعت مطہرہ پاک و صاف ہو۔ نیز

- جاہلوں کی جہالت دُور ہو۔
- جھوٹوں کے کذب و افتراء کا پردہ چاک ہو۔

○ بدعتیوں کی بدعات کا خاتمہ ہو جو مشرکین کی سی بدعات کرتے اور رسُول اللہ ﷺ کی شریعت اور سُنّت کی تنقیص کرتے اور توحید الٰہی میں رخنہ اندازی کرتے ہیں۔

○ رسُول اللہ ﷺ کی سُنّت مطہرہ کی تنقیص، اس میں حیل و حجّت اور طعن کرنے والوں کو اسی کے مطابق سزا دی جا سکے۔

پس مسلمانوں کے حکمران کا فرض اوّلین ہے کہ وُہ کتاب وسُنّت کی حمایت و نصرت اور جہاد فی سبیل اللہ کا اعلان کرے تا کہ اللہ تعالیٰ کا دین بلند اور اس کے افضل ترین نبی، وُہ جو خاتم المرسلین ہیں کی شریعت کا دور دورہ ہو۔ اللہ کی توحید اور اس کی عبادت کا ڈنکا بجے۔ ایسے طریقہ سے اللہ کی عبادت ہو جس میں خواہشِ نفس اور بدعت کا دخل نہ ہو کوئی سربراہِ مملکت اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام کا اس وقت تک حقدار نہیں ہو سکتا جب تک کہ وُہ اتباعِ رسُول ﷺ اور دینِ حق کی نصرت کے لیے کمربستہ نہ ہو۔

سُلطان معظم نے چند سوالات کی تشریح و توضیح کا مطالبہ کیا، ہمارے جواب کا مقصود و مطلوب صرف یہ ہے کہ :

○ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُولِ مکرم ﷺ کی اطاعت ہو۔

○ ہم اسی کی عبادت کریں۔

○ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ کیونکہ شریعت مطہرہ کی ہدایات کے بغیر اللہ کی عبادت ممکن نہیں۔

جیسے پانچ وقت کی نماز، رمضان المبارک کے روزے اور بیت اللہ کا حج۔ یا جن امور کے انجام دینے کی دعوت دی، جیسے قیام اللیل، مسجد نبوی ﷺ اور مسجدِ اقصےٰ کی طرف سفر کرنا تاکہ وہاں جا کر نماز ادا کی جائے، قرآنِ کریم کی تلاوت ہو

ذکر و اذکار اور اعتکاف وغیرہ اعمالِ صالحہ انجام دیے جائیں۔

ان اعمال کے علاوہ مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت اور نماز کے اندر رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام کہنا، مساجد کے اندر ایسے طریقے سے اعمال انجام دینا جن میں رسول اکرم ﷺ کی اقتدا ہو۔ نیز سُنّت کے مطابق زیارت قبور کا فریضہ

حقیقت یہ ہے کہ سُنّت کے مطابق اعمال انجام دینا ہی دینِ اسلام ہے ہم پر واجب ہے کہ تمام عبادات میں رسول اللہ کی سُنّت سے تجاوز نہ کریں۔ جیسے مسجد قبا کی زیارت اور اس میں نماز کی ادائیگی۔ شہدائے اُحد و جنّت البقیع کی زیارت

ایسے اعمال کو عبادت نہیں کہا جا سکتا جو اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کو ناپسند تھے۔ ورنہ ان سے تقرب الی اللہ حاصل ہی ہو سکتا ہے۔ جیسے مشرکین اہلِ کتاب اور اہلِ بدعت کی عبادات۔ یہ لوگ ایسے اعمال کرتے ہیں جن کا نہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا اور نہ ان کی تبلیغ کے لیے کوئی رسول ہی بھیجا جیسے :

- مخلوقات کی بندگی کرنا
- ستاروں، ملائکہ اور انبیاء کی پرستش۔
- انبیاء و صلحا کی تصاویر کی پوجا کرنا۔ جیسے نصاریٰ اپنے گرجوں میں کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ہم اُن کے ذریعے شفاعت طلب کرتے ہیں۔ اِس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہمیشہ سامنے رکھنا چاہیے جو آپ اپنے خطبات میں ہمیشہ دُہرایا کرتے تھے

خیر الکلام کلام اللہ و خیر الھدی ھدی محمد ﷺ وشر الامور محدثاتھا وکل بدعۃ ضلالۃ[1]

کہ بہترین کلام اللہ کا کلام ہے اور بہترین راستہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے اور بدترین امور میں سے بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

بدعت اس کام کو کہتے ہیں جو شریعت میں نیا ہو۔ بعض اوقات کوئی کام (اپنی مختلف صورت میں) جائز ہوتا ہے۔ لیکن جب وُہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد (دُوسری صورت میں) انجام دیا

---

[1] صحیح مسلم۔ باب تخفیف الصلوۃ والخطبہ۔ الرد علی الاخنائی حدیث ۱۰۲

جاتا ہے تو اسے بدعت کا نام دیا جاتا ہے، جیسے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا وہ قول جو انھوں نے رمضان المبارک میں لوگوں کو ایک قاری کے پیچھے جمع کر کے فرمایا تھا کہ :-

نعمت البدعة هذه والتی ینامون عنها افضل [1]	یہ اچھی بدعت ہے اور لوگوں کے سو جانے سے افضل ہے۔

حالانکہ رسولِ اکرم ﷺ نے قیام رمضان کو سنّت قرار دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ

ان اللہ قد فرض علیکم صیام رمضان وسننت لکم قیامہ [2]	اللہ تعالیٰ نے روزے فرض کیے ہیں اور میں نے قیام رمضان کو سنّت قرار دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک میں لوگ متفرق دو دو چار چار جمع ہو کر قیام رمضان کیا کرتے تھے اور آپ نے جماعت بھی کرائی اور فرمایا تھا کہ :

ان الرجل اذا صلی مع الامام حتی ینصرف کتب له قیام لیلة [3]	جب کوئی شخص امام کے ساتھ باجماعت نماز پڑھتا ہے تو اس کے اعمال نامہ میں پوری رات کا قیام لکھا جاتا ہے۔

لیکن رسول اللہ ﷺ نے پانچ وقت فرضی نمازوں کی طرح قیام رمضان کی جماعت پر مداومت نہیں کی تاکہ قیام رمضان فرض قرار نہ پا جائے جب آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے اور اب فرض کے اضافے کا خدشہ نہ رہا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نماز تراویح باجماعت کا التزام فرمایا۔

ہم پر فرض ہے کہ رحمتِ دو عالم ﷺ سے اس قدر محبت کریں کہ :

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب التراویح۔ [2] المستدرک۔ حدیث ۱۶۹۰

[3] المسند۔ ج ۵ ۔ ص ۱۵۹ ۔

○ آپؐ کی ذاتِ گرامی ہمیں اپنی جانوں، اپنے آباؤ اجداد، اپنی اولاد، اپنے اہلِ خانہ، اپنے مال و متاع سے بھی زیادہ محبوب ہو جائے۔

○ ہم آپؐ کی عزّت و توقیر کریں۔

○ ظاہر و باطن میں آپؐ کی اطاعت کریں۔

○ جو شخص آپؐ سے دوستی رکھے اس سے دوستی رکھیں۔

○ اور جو شخص آپؐ سے دُشمنی رکھے اُسے اپنا دُشمن سمجھیں۔

ہمیں علم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ صرف آپؐ کی اتباع ہے آپؐ کی اطاعت کے بغیر کوئی شخص۔

○ اللہ کا ولی نہیں ہو سکتا بلکہ :

○ نہ مومن بن سکتا ہے۔

○ نہ سعادت و خوش بختی کا مقام حاصل کر سکتا ہے

○ اور نہ اس کے لیے اللہ کے عذاب سے نجات ہی کی کوئی صورت ہے۔ سوائے اس کے کہ وُہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے اور ظاہر و باطن میں آپؐ کی پیروی کرے۔

○ ربِّ کریم تک پہنچنے کا وسیلہ بھی رسولِ اکرم ﷺ پر ایمان اور آپؐ کی اطاعت ہے اس لیے کہ :

○ آپؐ اوّلین و آخرین سے افضل داعی ہیں۔

○ آپؐ خاتم النبیین کے رتبۂ عالی پر فائز ہیں۔

○ آپؐ ہی کے لیے قیامت کے دِن شفاعتِ عظمیٰ مخصوص ہے۔

○ آپؐ ہی کو تمام انبیاء کرام کے مقابلے میں خصوصی امتیاز سے نوازا گیا ہے۔

○ مقامِ محمود آپؐ ہی کا حصہ ہے۔

○ لوائے حمد آپ ہی کے دستِ مبارک میں ہو گا۔

○ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء آپ ہی کے جھنڈے تلے ہوں گے۔

○ آپ سب سے پہلے جنّت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے، جب آپ دروازے پر تشریف لے جائیں گے تو دربان عرض کرے گا۔

من انت؟	آپ کون ہیں؟
فیقول: انا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)	آپ فرمائیں گے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔
فیقول: بک امرت ان لا افتح لاحد قبلک	دربان عرض کرے گا مجھے حکم ہے آپ سے پہلے کسی کے لیے دروازہ نہ کھولوں۔

ربِ کریم نے اُمّتِ محمدیہ کے لیے کچھ اعمال کو فرض قرار دیا کچھ کو سُنّت اور مستحب ٹھہرایا چنانچہ ان میں سے ایک حج بیت اللہ ہے کہ اس کا بجا لانا اُمّتِ مسلمہ پر فرض ہے۔

مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصیٰ میں نماز، تلاوت قرآنِ کریم، اذکار اور اعتکاف وغیرہ عبادات انجام دینے کے لیے رختِ سفر باندھنا بالاتفاق مستحب ہے جب کوئی شخص مسجدِ نبوی میں داخل ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجے اور نماز کے دوران میں بھی آپ پر درود و سلام پڑھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ	بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی
عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے ہیں۔ اس لیے اے
صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○	ایمان والو! تم بھی اس پر درود و سلام پڑھو۔

(الاحزاب - ۵۶)

جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک دفعہ درود و سلام پڑھتا ہے ربِ کریم اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتا ہے۔

ایک سچے مومن کو چاہیے کہ وہ رحمتِ دو عالم ﷺ کے لیے مقامِ وسیلہ کے حصول کی دعا کرے۔ صحیح مسلم میں مروی ہے آپؐ نے فرمایا کہ:

اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول ثم صلوا علي فانه من صلى علي مرة صلى الله عليه عشرا ثم سلوا الله لي الوسيلة فانها درجة في الجنة لاتنبغي الا لعبد من عباد الله۔ وارجو ان اكون انا ذلك العبد من سأل الله لي الوسيلة حلت عليه شفاعتي يوم القيمة۔ [1]

جب تم مؤذن کو اذان کہتے ہوئے سنو تو جو الفاظ وہ کہتا ہے تم بھی وہی کہو۔ پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے۔ اللہ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۔ پھر میرے لیے وسیلہ کی دعا کرو۔ کیونکہ وسیلہ جنّت کے درجات میں سے ایک درجہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے ایک کے لیے مخصوص ہے اور مجھے اُمید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں۔ پس جو شخص میرے لیے وسیلہ کی دعا کرتا ہے تو قیامت کے دن اس کی شفاعت مجھ پر حلال ہو جاتی ہے۔

صحیح بخاری میں مروی ہے آپؐ فرماتے ہیں:

من قال حين يسمع النداء "اللهم رب هذه الدعوة التامة والصلوة القائمة آت محمدا الوسيلة والفضيلة وابعثه مقاما محمودا الذي وعدته انك لا تخلف الميعاد"

جو شخص اذان سننے کے بعد یہ دعا پڑھتا ہے کہ اے اس پوری ندا اور قائم کی گئی نماز کے مالک! تو آنحضرت ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت اور مقامِ محمود عطا فرما جس کا تو نے اُن سے وعدہ کیا ہے کیونکہ تو اپنے وعدے

---

[1] صحیح مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب القول مثل قول المؤذن۔ الرد علی۔ ثانی حدیث ...

حلت له شفاعتی یوم القیمة۔ [۱] | کے خلاف نہیں کرتا" تو قیامت کے دن اسکے لیے میری شفاعت حلال ہو جائے گی۔

مندرجہ بالا دُعا مانگنے کا حکم ہے۔

نیز قبر مکرّم کے پاس سلام کہنا جائز ہے کیونکہ سُنن میں آپؐ کا ارشاد ہے کہ

ما من احد یسلم علی الا رد الله علی روحی حتی ارد علیه السلام۔

اگر کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجے گا تو اللہ تعالیٰ میرے جسم میں رُوح کو واپس کر دے گا یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دُوں گا۔

مشرق و مغرب، شمال و جنوب دُنیا کے کسی بھی خطّے سے جب کوئی شخص رسُول اللہ ﷺ پر درُود و سلام کہتا ہے تو ربّ کریم اس درود و سلام کو رسُولِ کریم ﷺ تک پہنچا دیتا ہے چنانچہ سُنن میں اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپؐ نے فرمایا کہ :

اکثروا علی من الصلوة یوم الجمعة و لیلة الجمعة فان صلاتکم معروضة علی

جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب نیز جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو کیونکہ اس دن تمہارا درُود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

---

[۱] صحیح بخاری باب الدعاء عند النداء۔ "انک لا تخلف المیعاد" کے الفاظ بخاری شریف میں نہیں ہیں۔

[۲] سُنن ابی داؤد۔ باب زیارة القبور — نیز الرد علی الاخنائی حدیث ۲۳

قالوا: وكيف تعرض صلاتنا عليك وقد أرمت؟ يعني صرت رميما	صحابہ نے عرض کیا۔ ہمارا درُود آپ کی خدمت میں کیسے پیش کیا جائے گا جبکہ آپ مٹی میں مل چکے ہوں گے؟
قال: إن الله حرم على الأرض ان تأكل لحوم الأنبياء.	آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے

اِسی لیے رسُول اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ:

لا تتخذوا قبري عيدا وصلوا علي حيث ما كنتم فإن صلاتكم تبلغني. رواه ابی داود [1]	میری قبر کو میلہ کی جگہ نہ بنا لینا۔ تم جہاں بھی ہو مجھ پر درُود بھیجتے رہنا کیونکہ تمہارا درُود مجھ تک پہنچا دیا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ پر درود وسلام دُور سے بھی اسی طرح پہنچتا ہے جس طرح قریب سے سُنن نسائی میں مروی ہے آپ نے فرمایا۔

ان لله ملائكة سياحين يبلغوني عن امتي السلام.	اللہ تعالیٰ نے خاص فرشتے مقرر کرکھے ہیں جو زمین میں گھومتے رہتے ہیں اور میری اُمّت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔

ربّ کریم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم رسُول اللہ ﷺ پر درود وسلام بھیجیں نیز ہر نماز میں اللہ تعالیٰ کی ثنا بیان کرنے کے بعد حکم ہے کہ یہ دُعا پڑھیں۔

---

[1] سُنن ابی داؤد۔ کتاب الصلوٰۃ ـــ النسائی۔ کتاب الصلوٰۃ باب اکثار الصلوٰۃ علی النبی یوم الجمعۃ۔ ابن ماجہ ـــ مسند احمد ج ۴، ص ۸ ـــ المستدرک۔ ج ۱، ص ۲۰۹ ـــ سنن بیہقی۔ ج ۳، ص ۲۴۹ ـــ مسند ابی یعلیٰ ـــ الفتح ۹ ـــ الرد علی الاخنائی حدیث ۵۳ ص ۹۔

السلام علیک ایھا النبی و رحمة الله و برکاتهٗ۔	اے نبیؐ! آپ پر اللہ تعالیٰ کا سلام اُس کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔

یہ درود و سلام رسول اللہ ﷺ پر مشرق و مغرب سے پہنچ جاتا ہے۔

جب ہم رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجنا چاہیں تو ہمیں یوں کہنا چاہیے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔	اے اللہ! آنحضرت ﷺ اور آپ کی آل پر رحمتیں نازل فرما۔ جیسے تونے ابراہیم اور اُن کی آل پر رحمتیں نازل کیں۔ بیشک تو حمید و مجید ہے اور آنحضرتؐ اور آپ کی آل پر برکتیں نازل فرما جیسے تونے ابراہیم اور ان کی آل پر برکتیں نازل کیں۔ بیشک تو حمید و مجید ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اور ابو بکر رضی اللہ عنہ و عُمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ و علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں تمام مسلمان مسجد نبوی میں نماز پڑھتے اور دورانِ نماز رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجتے تھے۔ اسی طرح مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت بھی آپؐ پر صلوٰۃ و سلام کہا کرتے تھے۔ وہ اُس بات کی ضرورت نہ سمجھتے کہ قبر مکرم کے نزدیک جائیں یا قبر مکرم کی طرف منہ کریں یا بُلند آواز سے سلام کہیں۔ بلکہ مسجد نبوی میں آواز کو بلند کرنا مکروہ سمجھتے تھے جیسا کہ آج کل بعض حجاج کرتے ہیں علمائے کرام نے اسے بدعت کہا ہے۔

ایک دفعہ عُمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں دو مُسافروں کو دیکھا کہ اُنکی آوازیں بُلند ہیں۔ آپ نے ان کو بُلا کر کہا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ مسجد نبوی میں آواز کو بلند کرنا صحیح نہیں؟ اگر تم مدینے کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں ضرور سزا دیتا۔ چنانچہ

ان کو ان کی لاعلمی کی بنا پر چھوڑ دیا۔

رسولِ کریم ﷺ جب دُنیا سے تشریف لے گئے تو آپ کو اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں دفن کر دیا گیا۔ اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے مکانات مسجد کے مشرقی جانب بطرف قبلہ تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے آخری دور تک ان میں سے ایک مکان بھی مسجد میں داخل نہ تھا ولید بن عبدالملک کی تخت نشینی کے تقریباً ایک سال بعد مسجد نبوی کی توسیع کے پیشِ نظر اس نے اپنے نائب عمر بن عبدالعزیزؒ کو لکھا کہ وُہ رسول اللہ ﷺ کے تمام مکانات کو خرید کر مسجد نبوی میں داخل کر دے اس وقت اُمہات المؤمنین میں سے ایک بھی بقیدِ حیات نہ تھیں چنانچہ تمام مکانات کو خرید کر مسجد نبوی میں داخل کر دیا گیا۔ لیکن اُمّ المؤمنین حضرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ اپنی اصل شکل میں قائم رہا اس کا دروازہ ہمیشہ بند رہتا تھا کسی شخص کے لیے ممکن نہ تھا کہ وُہ درود و سلام یا دُعا، وغیرہ کے لیے اندر جا سکے ہاں ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی زندگی میں ممکن تھا۔

حجرۂ مبارک کو مسجد نبوی میں داخل کرنے سے تقریباً بیس تیس سال پہلے حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وفات پا چکی تھیں۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد اُن کے بیٹے یزید، ان کے بعد ابنِ زبیر رضی اللہ عنہ کا دور آیا پھر عبدالملک بن مروان کی حکومت قائم ہوئی اور ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے ولید نے عنانِ حکومت سنبھالی۔ ان کی خلافت ۸۶ھ میں قائم ہوئی اس وقت تک جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ تمام صحابہ وفات پا چکے تھے۔ حجرہ مبارک کو مسجد نبوی میں داخل کرنے سے دس سال پہلے ۷۸ھ میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔

اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں بعض صحابہ کسی مسئلہ یا کسی حدیث

کی تشریف یا آپ کی زیارت کے لیے حجرہ مبارک میں چلے جایا کرتے تھے اس وقت بھی وُہ لوگ قبر کرم کے پاس جانے کی ضرورت محسوس نہ کرتے اور نہ ہی کوئی شخص سلام دُعا کے لیے داخل ہوتا۔

بعض افراد کی خواہش پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قبروں کی زیارت کی اجازت دے دیتی تھیں۔ قبریں نہ تو بہت بلند تھیں اور نہ زمین سے ملی ہوئی تھیں قبروں پر چھوٹی چھوٹی کنکریاں ڈالی ہوئی تھیں ___ قبریں مسنمہ (کوہان نما) تھیں یا مسطح (زمین سے ملی ہُوئی) تھیں؟ ___ اس میں اختلاف ہے البتہ بخاری کی روایت کے مطابق مسنمہ تھیں۔ سفیان التمار کا بیان ہے کہ انہوں نے قبر کرم کو مسنمہ دیکھا ہے جس شخص کو حجرہ مبارک میں داخل ہونے کی سعادت حاصل ہو جاتی وُہ آپ پر درود و سلام ضرور بھیجتا کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام	اگر کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجے گا تو اللہ تعالیٰ میرے جسم میں رُوح کو واپس کر دے گا یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دُوں گا۔

حجرۂ مبارک میں داخل ہونے والے کے لیے ضروری ہے کہ وُہ آپ پر سلام کہے دراصل وُہ قریب والا سلام ہے جس کا جواب رسُولِ خُدا دیتے ہیں لیکن وہ سلام جو حجرہ کے باہر یا نماز کے اندر یا کسی دُور دراز مقام سے کہا جائے تو ایسے درود و سلام کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے کہ

"جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود و سلام کہتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ رحمت بھیجتا ہے۔"

یہی وُہ سلام ہے جس کا ہر مسلمان مکلف ہے۔ رہا قبر کرم کے پاس جا کر سلام کہنا تو یہ ہر مومن کی قبر پر کہا جاتا ہے جس میں رسُول اکرم ﷺ کی کوئی خصوصیت نہیں البتہ

ہر جگہ اور ہر مقام سے سلام کہنا صرف رسول اللہ ﷺ کا خاصہ ہے جس کے بارے میں ربِّ کریم نے اپنے مومن بندوں سے کہا ہے کہ وہ آپ پر درود و سلام بھیجیں۔

صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم تسلیما

امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے تمام مکانات مسجد کے مشرقی جانب بطرف قبلہ واقع تھے۔ آپؐ کا ارشاد ہے کہ:

ما بین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ (بخاری و مسلم)	میرے گھر اور منبر کے درمیان والی جگہ جنّت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

بعض روایات میں قبری کا لفظ مروی ہے جو صحیحین میں نہیں ہے اور اس لحاظ سے بھی یہ لفظ صحیح معلوم نہیں ہوتا کہ اس وقت قبر مکرم کا وجود ہی نہ تھا۔

مسجد مدینہ کی فضیلت خود رسول اکرم ﷺ کی وجہ سے ہے کیونکہ آپ ہی نے اُسے تعمیر فرمایا اور تقویٰ پر اس کی بنیاد رکھی۔ صحیحین کی روایت میں آپؐ فرماتے ہیں۔

صلوٰۃ فی مسجدی ھٰذا خیر من الف صلوٰۃ فیما سواہ من المساجد الا المسجد الحرام ؎	میری اس مسجد میں نماز ادا کرنا دُوسری مساجد سے ایک ہزار درجہ زیادہ ثواب رکھتا ہے سوائے مسجد الحرام کے۔

جمہور علما کا مسلک یہ ہے کہ مسجد الحرام تمام مساجد سے افضل ہے اس میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر ہے۔

امام احمد اور امام نسائی وغیرہما نے سند جید سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

؎ صحیح بخاری۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب فضل الصلوٰۃ فی مسجد مکہ والمدینہ۔
صحیح مسلم۔ کتاب الحج۔ باب فضل الصلوٰۃ بمسجدی مکہ والمدینہ۔
الرد علی الاخنائی۔ حدیث ۹۸۔

مسجد حرام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وجہ سے فضیلت حاصل ہوئی۔ کیونکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کی اور پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے لوگوں کو حج کی دعوت دی۔ البتہ حج کو فرض قرار نہ دیا اسی بنا پر ابتدائے اسلام میں حج فرض نہ تھا۔ بلکہ حج کی فرضیت اسلام کے آخری احکام میں ہوئی۔ صحیح بات یہ ہے کہ جس سال سورۂ آل عمران نازل ہوئی اور اہل نجران کا وفد آیا اسی سال حج فرض ہوا یہ واقعہ ۹ھ یا ۱۰ھ کا ہے۔

جن علماء نے حج کی فرضیت ۶ھ میں لکھی ہے انہوں نے سورۃ البقرہ کی آیت واتموا الحج والعمرۃ للہ سے استدلال کیا ہے۔ لیکن مفسرین کے نزدیک یہ آیت صلح حدیبیہ والے سال نازل ہوئی تھی اس آیت کریمہ میں اتمامِ حج کا حکم ہے فرضیتِ حج ثابت نہیں ہوتی۔

بیت اللہ کو حضرتِ ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا اور پھر لوگوں کو اس کا حج کرنے کی دعوت دی اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کو مشرکین کے قبضہ سے آزاد کرایا اور پھر ہر مستطیع پر حج فرض قرار دیا۔ ان ہی وجوہات کی بنا پر بیت اللہ کو دوہری فضیلت حاصل ہوئی۔

چنانچہ اطراف عالم سے لوگ جوق درجوق حج کرنے کی نیت سے بیت اللہ آنا شروع ہوئے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے بیت اللہ میں اللہ کی عبادت اس قدر زیادہ شروع ہوئی کہ اس سے پہلے اس کا عشرِ عشیر بھی نہ تھی۔ اور انتہائی پروقار، عظمت اور اخلاص سے اللہ کی عبادت ہوئی۔

جب آپ کی وفات ہوئی اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں مدفون ہوئے تو آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں فرمایا تھا کہ لعن اللہ الیھود و النصارٰی اللہ تعالیٰ نے یہود و نصارٰی پر اس لیے

اتخذوا قبور انبیائهم مساجد یحذر ما فعلوا۔	لعنت کی کہ اُنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا تھا۔ آنحضرتؐ ان کے اس عمل بد سے ڈرا رہے تھے۔

آپؓ مزید فرماتی ہیں کہ:

ولو لا ذلك لابرز قبرہ ولکن کرہ ان یتخذ مسجداً۔	اگر یہ خدشہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر مکرم ظاہر کر دی جاتی لیکن آپ نے اُسے پسند نہیں کیا کہ آپ کی قبر عبادت گاہ بنے۔

صحیح مسلم کی روایت کے مطابق آپؐ نے اپنی وفات سے پانچ روز قبل فرمایا تھا کہ

ان من کان قبلکم کانوا یتخذون القبور مساجد الا فلا تتخذوا القبور مساجد فانی انھاکم عن ذلك۔	تم سے پہلے لوگ قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا کرتے تھے۔ خبردار! قبور کو مساجد نہ بنا لینا میں تم کو اس سے منع کر رہا ہوں۔

صحیح مسلم میں مندرجہ ذیل الفاظ بھی مروی ہیں کہ:

لا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا الیھا	نہ تو قبر کے پاس مجاور بن کر بیٹھو۔ اور نہ قبر کی طرف منہ کر کے نماز ہی پڑھو۔

ان روایات میں قبور کو عبادت گاہ بنانے اور ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے اور یہود و نصاریٰ پر اس لیے لعنت کی کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا تھا۔ اسی وجہ سے قوم نوح میں شرک کی وبا پھیلی۔ قوم نوح کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۥ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۝ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ	اُنہوں نے کہا ہرگز نہ چھوڑو اپنے معبودوں کو اور نہ چھوڑو ودّ اور سواع کو اور نہ یغوث اور یعوق اور نسر کو انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔

(نوح - ۲۳-۲۴)

سلف اُمّت میں سے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر اکابر علماء کا قول ہے کہ: "وَدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر وغیرہ قوم نوح میں صالح اور دیندار افراد تھے۔ جب وُہ فوت ہوگئے تو لوگ ان کی قبروں پر مجاور بن کر بیٹھ گئے پھر کچھ عرصہ بعد ان کی تصویریں بنائیں۔ اور پھر کچھ عرصہ گذر جانے کے بعد انکی پرستش شروع ہوگئی۔"

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت کرتے ہوئے امت کو آگاہ فرمایا کہ کہیں وُہ بھی مشرکین اور اہلِ کتاب کی طرح شرک میں گرفتار نہ ہوجائیں۔ چنانچہ قبور کو عبادت گاہ بنانے سے منع فرمایا۔ قبروں کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھنے سے روکا۔ نیز طلوع اور غروب آفتاب کے وقت نماز ادا کرنے سے بھی منع فرمایا تاکہ کفار سے مشابہت پیدا نہ ہو۔ چنانچہ ولید بن عبدالملک کی خلافت میں جب حجرہ مُبارک مسجد نبوی میں داخل کیا گیا تو حجرہ کے گرد ایک دیوار چُن دی گئی تاکہ قبر مکرم تک کوئی شخص نہ پہنچ سکے موطا امام مالک کی روایت کے مطابق رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی تھی کہ:

اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد اشتد غضب اللہ علی قوم اتخذوا قبور انبیائھم مساجد [1]	اے اللہ! میری قبر کو وثن معبود نہ بننے دینا کہ اس کی پُوجا ہونے لگے اس قوم پر اللہ تعالیٰ کا غضب سخت ہوجاتا ہے جو اپنے انبیاءؑ کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیتی ہے۔

الحمدللہ کہ ربِّ کریم نے آپؐ کی دُعا کو شرف قبولیت بخشا اور اُسے وثن بننے سے محفوظ رکھا۔ جیسا کہ عام قبور کو وثن بنالیا گیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ جب سے حجرہ تعمیر ہُوا کسی کے لیے ممکن نہ تھا کہ وُہ اندر داخل ہوسکے۔ حجرہ کے گرد چار دیواری سے پہلے بھی اندر داخل ہوکر درود و سلام کہنا ممکن نہ تھا جیسا کہ عام قبور پہ بدعات کا دور دورہ ہے۔ جاہل لوگ حجرہِ مُبارک کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھتے ہیں

---

[1] موطا۔ کتاب الصلوۃ، باب جامع الصلوۃ۔

اپنی آوازوں کو بلند کرتے ہیں اور غیر شرعی اور ممنوع کلام کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ قبر مکرم کے نزدیک نہیں بلکہ حجرہ کے باہر ہوتا ہے۔ کیونکہ ربّ کریم نے رسولِ کریم کی دُعا کو ایسا شرف قبولیت بخشا ہے کہ اب کوئی شخص قبر مکرم تک پہنچ بھی نہیں سکتا کہ وہاں جا کر درود و سلام یا شرکیہ اعمال کر سکے۔ جیسا کہ دوسرے انبیاء و صلحا کی قبور کو وثن بنا لیا گیا ہے۔ اُمّ المومنین کی زندگی میں کسی کو جرأت نہ تھی کہ بجز آپ کے (علمی استفادہ) اندر داخل ہو سکے اور نہ ہی کسی کے لیے ممکن تھا کہ وہ قبر مکرم کے پاس جا کر غیر شرعی عمل کر سکے۔ جب حضرت سیّدہ کی وفات ہوگئی تو حجرہ مبارک کا دروازہ بند کر دیا گیا اور حجرہ کے چاروں طرف ایک دیوار چن دی گئی تاکہ آپ کا گھر میلہ گاہ اور قبر مکرم وثن نہ بن جائے۔

یہ بھی معلوم رہے کہ اہلِ مدینہ مسلمان تھے اور مدینہ منورہ میں غیر مسلم داخل نہیں ہو سکتا تھا اور سب کے سب رسولِ اکرم ﷺ کی عزت و توقیر کرتے تھے قبر مکرم کے پاس نماز۔ دُعا اور درود و سلام سے اس لیے منع کر دیا گیا کہ قبر مکرم کی اہانت نہ ہو۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ قبر مکرم کو وثن اور حجرہ مبارک کو عید گاہ بننے سے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ نے اپنے انبیاء کی قبروں کے ساتھ کیا تھا۔ قبر مکرم پر موٹی مٹی ریت ڈال دی گئی ہے۔ قبر مکرم پر نہ تو کوئی پتھر ہے اور نہ لکڑی وغیرہ اور نہ ہی وہ مٹی وغیرہ سے لپی ہوئی ہے۔ جیسا کہ دوسری تمام قبور۔

رسولِ کریم ﷺ نے ربّ کریم سے دُعا کی تھی کہ ان کی قبر کو وثن معبود نہ بننے دینا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دُعا کو ایسا قبول فرمایا کہ آپ کی قبر مکرم تک پہنچنا ناممکن بنا دیا گیا ہے قبر مکرم ایسی قبور کی طرح نہیں ہے جن کو عبادت گاہ بنا لیا گیا ہو۔

پہلی امتوں میں سے کوئی امت اگر بدعت و گمراہی میں ڈوب جاتی تو اللہ تعالیٰ کسی نئے نبی کو مبعوث فرما دیتا جو ان کو راہ راست پر لے آتا لیکن رسول کریم خاتم الانبیاء ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا اس لیے اللہ نے امتِ محمدیہ کو اجتماعی طور پر گم

ہونے سے محفوظ کر رکھا ہے اور اسی طرح قبر مکرم وثن بننے سے محفوظ ہے۔ اگر خدانخواستہ
آپ کی قبر وثن (معبود) بن جاتی تو آپ کے بعد کوئی نبی نہیں جو اُمت کو اس سے روک
سکتا۔ پہلی اُمتوں میں عام طور پر ایسے ہی لوگ غالب آ گئے تھے جو شرکانہ رسوم و آداب
کی پیروی کرتے تھے۔ اسی لیے آپ نے پیشین گوئی فرما دی کہ "آپ کی اُمت میں سے
ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا جو شخص ان کی مخالفت یا ان کی توہین کا ارادہ کرے گا
وہ انہیں تکلیف نہیں پہنچا سکے گا۔" چنانچہ اہل بدعت کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ
قبر مکرم پر ایسی بدعات کر سکیں جو دوسرے انبیاء کی قبروں پر روا رکھی گئی ہیں۔
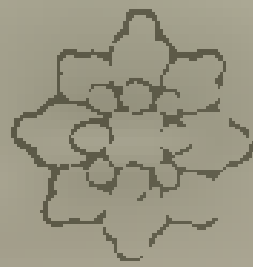
فصل

ہم نے کسی دُوسرے رسالے میں مناسک حج کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ مسجد نبوی کی طرف سفر کرنا اور قبر مکرم کی زیارت ایک مستحب عمل ہے جسے تمام ائمہ اسلام تسلیم کرتے ہیں لیکن جہاں تک اس مسئلے کا تعلق ہے کہ درود و سلام پڑھتے وقت انسان کو قبلہ رُخ ہونا چاہیے یا وُہ اپنا چہرہ حجرہ مُبارک کی طرف رکھے؟ اس میں مذکور دو صورتیں نقل کرتے ہیں۔

اوّل یہ کہ حجرہ مبارک کی طرف مُنہ کر کے درود و سلام پڑھنا چاہیے۔ اکثر علماء کا قول یہی ہے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، بھی اسی رائے کی تائید کرتے ہیں ___ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا ایک قول تو یہ ہے کہ قبلہ رُخ ہو کر اس حالت میں سلام کرے کہ حجرۂ مبارکہ بائیں ہاتھ ہو اور دُوسرا قول یہ ہے کہ حجرۂ مبارکہ پیچھے ہو کی وجہ یہ ہے کہ جب تک حجرۂ مبارک مسجد نبویؐ سے باہر رہا اور صحابہ کرام وہاں درود و سلام پڑھتے رہے اس وقت کسی کے لیے ممکن ہی نہیں تھا کہ وُہ حجرہِ مُبارک کی طرف رُخ کرے اور کعبہ کی طرف پشت ہو جیسا کہ حجرہِ مُبارک کے مسجد میں شامل ہونے کے بعد ممکن ہُوا۔ بلکہ اس وقت صورت یہ تھی کہ اگر مُنہ قبلے کی طرف کرتے تھے تو حجرہ مُبارک انسان کے بائیں ہاتھ ہوتا تھا۔ چنانچہ اس وقت صحابہ کرام حجرہِ مُبارک کی طرف مُنہ اور مغرب کی جانب پشت کر کے درود و سلام پڑھتے تھے تو اس صُورت میں پہلا قول راجح ہے۔ اور اگر دُوسری صُورت پر عمل کرے تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃُ اللہ کا قول راجح ہوگا۔

مسجد نبوی کی زیارت کے لیے جو سفر کیا جائے وُہ مستحب ہے چنانچہ اس سفر میں تمام ائمہ کرام کے نزدیک نماز قصر کرنا ضروری ہے۔ کسی امام سے پُوری نماز پڑھنا منقول نہیں اور نہ ہی کسی امام سے منقول ہے کہ مسجد نبوی کی زیارت کے لیے سفر کرنا ممنوع ہے مسجد

نبوی کی زیارت کرنے والے کو قبر مکرم کی زیارت بھی ہو جائے گی۔ اگر ہم یہ کہیں تو بے جا نہ ہوگا کہ قبر مکرم کی زیارت افضل ترین عمل ہے۔ اس بارے میں میری یا کسی دوسرے عالم کی تحریر سے اس کی نفی ثابت نہیں ہے انبیاء کرام علیہم السلام صالحین اُمت رحمہم اللہ اور دیگر افراد کی قبروں کی زیارت کی شرعی حیثیت مسلّم ہے بلکہ ہم نے زیارتِ قبور کو مستحب قرار دیا ہے۔ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع اور شہدائے احد کی قبروں کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ نیز صحابہ کو قبرستان میں جا کر مندرجہ ذیل دُعا پڑھنے کی تلقین فرماتے تھے۔

السلام علیکم اھل الدیار من المؤمنین والمسلمین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون۔ ویرحم اللہ المستقدمین منا ومنکم والمستأخرین ونسأل اللہ لنا ولکم العافیۃ۔ اللھم لا تحرمنا اجرھم ولا تفتنا بعدھم واغفر لنا ولھم

اے مسلمانو اور مومنو! تم پر اللہ کی سلامتی ہو ہم بھی ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں اللہ تم پر اور ہم سب پر رحم فرمائے۔ ہم اپنے اور تمہارے لیے اللہ سے عافیت کی دُعا کرتے ہیں اے اللہ ان کے اجر سے ہمیں محروم نہ کرنا اور ان کے بعد ہمیں کسی آزمائش میں مبتلا نہ کر دینا۔ اے اللہ! ان کو اور ہم سب کو معاف فرما۔

جب عام لوگوں کی قبروں کی زیارت شریعتِ اسلامیہ میں مسلّم ہے تو انبیاء اور صالحین امت رحمہم اللہ کی قبروں کی زیارت بالاولیٰ ثابت ہوگی۔ لیکن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دُوسرے انبیاء علیہم السلام کے مقابلے میں ایک امتیازی خصوصیت حاصل ہے وُہ یہ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہمیں حکم ہے کہ ہم نماز، اذان مسجد نبوی اور دیگر تمام مساجد میں داخل ہوتے۔ نکلتے وقت اور دُعا مانگتے ہوئے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کہیں پس ہر وُہ شخص جو مسجد نبوی میں داخل ہو اس

پر لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجے۔

مسجدِ نبویؐ کی زیارت کے لیے سفر کرنا مشروع ہے۔ لیکن علماء نے آپ کی مسجد اور دیگر مقامات کے درمیان فرق کو ملحوظ رکھا ہے حتیٰ کہ امام مالکؒ سے "زرت قبرالنبی" کہنے کی کراہت منقول ہے۔ کیوں کہ قبرستان کی زیارت کا مقصدِ وحید یہ ہے کہ انسان اہلِ قبور کے لیے دُعا اور سلام کہے اور یہ وظیفہ نماز پڑھتے ہوئے، مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت، اذان اور دُعا کرتے وقت حضورؐ پر درود وسلام بھیج کر پورا ہو جاتا ہے۔ پس ہر شخص کو دُعا کرتے وقت رسُول اللہ پر درود وسلام کہنا مسنون ومستحب ہے، کیونکہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلم مومنوں کی جانوں سے مومنوں کو عزیز ہیں۔ چنانچہ ہر نمازی اپنے اور تمام صالحین بندوں پر سلام کہنے سے پہلے رسُول اللہ پر درود وسلام کہتا ہے کہ:

السّلام علیک ایھا النّبی و رحمة الله و برکاته۔ السّلام علینا و علی عباد الله الصالحین۔	اے نبیؐ! آپ پر سلام ہو۔ اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں نازل ہوں اللہ کا سلام ہم پر اور اللہ کے تمام صالح بندوں پر ہو۔

قبرِ مکرم کے سوا کسی بھی قبر کے نزدیک کوئی ایسی مسجد نہیں جس کی زیارت کے لیے رختِ سفر باندھنا مستحب ہو۔ البتہ قبرِ مکرم کی زیارت کرنا درست ہے جیسے عام قبرستان میں جانا جائز ہے۔

مسجدِ نبوی، مسجد الحرام، اور مسجدِ اقصےٰ یہ تین مساجد ایسی ہیں جن کی زیارت کے لیے سفر کرنا مسنون ہے ان کے علاوہ کسی بھی مسجد کی زیارت کے لیے سفر کرنا ممنوع ہے۔

مقابر کی شرعی اور غیر شرعی زیارت میں جو اہم فرق ہے اُسے ہمیشہ ملحوظِ خاطر رکھنا ضروری ہے۔ جیسے انبیاء اور صالحین کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لینا یا قبر کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھنا، یا کسی قبر کو معبود بنا لینا اور پُوجا پاٹ کے لیے خاص کر لینا۔ صحیحین میں مروی حدیث میں ارشادِ نبوی ہے کہ:

لا تشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد المسجد الحرام و مسجدی هٰذا والمسجد الاقصی	تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد کی زیارت کے لیے رخت سفر نہ باندھا جائے یعنی مسجد الحرام مسجد نبوی اور مسجد اقصےٰ ،

ایک دفعہ کا ذکر ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کوہِ طور پر تشریف لے گئے جہاں موسٰے بن عمران سے اللہ تعالیٰ ہمکلام ہوا تھا۔ واپسی پر ابوبصرہ الغفاری رضی سے ملاقات ہوئی تو آپ نے کہا کہ اگر مجھے پہلے علم ہو جاتا تو آپ ہرگز نہ جا سکتے۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ :

لا تعمل المطی الا الی ثلاثۃ مساجد۔ المسجد الحرام و مسجدی هٰذا و مسجد بیت المقدس۔	تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد کے لیے سواری کو نہ چلایا جائے۔ یعنی مسجد الحرام میری یہ مسجد اور مسجد بیت المقدس۔

یہ تین مساجد ایسی ہیں جن کی طرف عبادت کے لیے سفر کرنا مسنون ہے۔ جیسے نماز پڑھنا، قرآن کریم کی تلاوت کرنا، ذکر و اذکار میں مشغول رہنا، دُعا و اعتکاف کرنا ان مساجد ثلاثہ میں سے صرف مسجد الحرام کا طواف مسنون ہے۔ جو شخص ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد میں بغیر اس کے کہ وُہ خاص طور پر اسی مسجد میں عبادت کے لیے سفر کر کے آیا ہو، نماز پڑھے تو یہ تمام اعمال سے افضل ترین عمل شمار ہوگا۔ صحیحین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے۔

من تطهر فی بیته ثم خرج الی المسجد کانت خطواته احداها تحط خطیئة و الاخری ترفع درجة والعبد فی صلوة مادام ینتظر الصلاة والملائکة تصلی علی احدکم مادام	جو شخص اپنے گھر میں پاکیزگی حاصل کر کے مسجد کی طرف جائے تو اس کے ایک قدم پر ایک گناہ مٹ جاتا ہے اور دُوسرے قدم پر ایک درجہ بلند ہوتا ہے۔ جب تک بندہ نماز کے انتظار میں رہتا ہے اسے نماز ادا کرنے

فی مصلاہ الذی صلی فیہ اللھم اغفرلہ اللھم ارحمہ مالم یحدث۔

کا ثواب ملتا رہتا ہے اور جبتک بندہ جائے نماز پر بیٹھا رہتا ہے فرشتے اس کے لیے رحمت کی یوں دُعا کرتے رہتے ہیں۔ کہ اے اللہ! اسے بخش دے اس پر رحم فرما۔ جبتک وُہ بے وضو نہ ہو۔

اگر کوئی شخص ایک شہر سے دُوسرے شہر اس نیت سے سفر کرے کہ وہاں کوئی مسجد ہے۔ جیسے دمشق سے مصر یا کسی دُور دراز شہر سے مسجد قباء کی زیارت کے لیے رختِ سفر باندھے تو ایسا سفر باتفاق ائمہ اربعہ غیر مشروع ہے اور اگر اس سفر کی نذر مان لے تو اس کا پُورا کرنا باتفاق ائمہ اربعہ لازم نہ ہوگا۔ صرف لیث بن سعد کا ایک ضعیف سا قول منقول ہے کہ ایسی نذر کو پُورا کرنا چاہیے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے صرف ابن مسلمہ رحمۃ اللہ علیہ مسجد قباء کی طرف سفر کرنے کی نذر کو پُورا کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ البتہ جو شخص مدینہ منورہ جائے تو اُسے مسجد قباء میں جا کر نماز پڑھنا مستحب ہے۔ کیونکہ مدینہ منورہ سے مسجد قباء جانے کو سفر شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ ہمیشہ ہفتہ کے دن کبھی پیدل اور کبھی سواری پر مسجد قباء تشریف لے جاتے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھتے۔ اس سلسلے میں آپؐ کا ارشاد بھی ہے کہ :

من تطھر فی بیتہ ثم اتی مسجد قباء کان لہ کعمرۃ
(رواہ ترمذی و ابن ابی شیبہ[1])

جو شخص اپنے گھر سے پاکیزگی حاصل کر کے مسجد قبا جائے تو اُسے ایک عمرہ ادا کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

اسی طرح سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ،

---

[1] جامع ترمذی۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب الصلوٰۃ فی مسجد قباء۔

"مسجد قباء میں نماز پڑھنے کا اجر عمرہ کرنے کے برابر ہے"۔

اگر کوئی شخص حج یا عمرہ کرنے کی نذر مان لے تو تمام علمائے اُمّت کا اتفاق ہے کہ اُسے یہ نذر پوری کرنا چاہیے۔

اگر کوئی شخص مسجد نبوی یا بیت المقدس جانے کی نذر مان لے تو ایسی نذر کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں:

(۱) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول کے مطابق اس نذر کا پورا کرنا ضروری نہیں کیونکہ شریعت نے اُسے واجب قرار نہیں دیا۔

(۲) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے قول کے مطابق ایسی نذر کا پورا کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ اللہ کی اطاعت ہے اور اطاعت الٰہی کے بارے میں صحیح بخاری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

من نذر ان یطیع اللہ فلیطعہ	جس شخص نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی اسے اللہ کی اطاعت کرنی چاہیے اور جس نے
و من نذر ان یعصی اللہ فلا یعصہ [1]	اللہ کی نافرمانی کی نذر مانی تو اسے اللہ کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔

اگر کسی نے ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف سفر کرنے کی نذر مانی یا محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مکرم یا کسی اور نبی، ولی یا صالح انسان کی قبر کی زیارت کی نذر مانی تو باتفاق ائمہ اس نذر کا پورا کرنا لازم نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے سفر کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ فرمایا۔

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب ایمان والنذور۔ باب النذر فی الطاعۃ، اردو علی الاخنائی۔ حدیث ۲۱

لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد المسجد الحرام ومسجدی هٰذا والمسجد الاقصٰی۔	تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد کی طرف رخت سفر نہ باندھنا چاہیے یعنی مسجد الحرام میری یہ مسجد اور مسجد اقصیٰ،

ہاں اس نذر کا پورا کرنا واجب ہے جس میں طاعت رسول ﷺ ہو۔ امام مالک رحمہ اللہ اور کئی دوسرے ائمہ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ جو شخص مدینہ منورہ کا سفر کرنے کی نذر مانے اور اس کی نیت یہ ہو کہ وہ مسجد نبوی میں نماز ادا کرے گا تو وہ اپنی نذر کو پورا کرے اور اگر اس کی نیت مسجد میں نماز ادا کرنے کے بجائے صرف قبر مکرم کی زیارت ہے تو اسے اپنی نذر کا پورا کرنا ضروری نہ ہوگا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ کہ:

لا تعمل المطی الا الی ثلاثة مسجدا	تین مساجد کے سوا سواری کو نہ چلایا جائے۔

المدونہ[1] اور الجلاب وغیرہ کتب سے بھی اس مسئلہ کی تائید ہوتی ہے قاضی اسماعیل بن اسحاق مبسوط میں اس پر بحث کرتے ہوئے امام مالک رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ

"جو مسجد نبوی میں جانے کی نذر مانے اسے اپنی نذر کو پورا کرنا چاہیے کیوں کہ مسجد میں جانے کا مقصد نماز ادا کرنا ہی ہوتا ہے۔ اور جو شخص مدینہ منورہ جانے کی نذر مانے اور نیت یہ ہو کہ وہ مسجد نبوی میں نماز ادا کرے گا تو اسے اپنی نذر کو پورا کرنا چاہیے۔ اور اگر جنت البقیع یا شہدائے احد کی قبور کی زیارت مقصود ہے تو ایسے شخص کو اپنی نذر کا پورا کرنا ضروری نہیں کیونکہ ان تین مساجد کے علاوہ رخت سفر باندھنا مشروع نہیں ہے۔"

امام مالک رحمہ اللہ کے مندرجہ بالا قول کے بارے میں ائمہ اسلام میں سے کسی ایک نے بھی مخالفت نہیں کی بلکہ دوسرے ائمہ کی تحریرات سے امام موصوف کی تائید ہوتی ہے قبرستان کی زیارت کے لیے رخت سفر باندھنے کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ اور امام ح

---

[1] المدونہ اور الجلاب فقہ مالکی کی مشہور کتب ہیں۔ (مترجم)

رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب سے دو قول منقول ہیں (۱) یہ سفر حرام ہے (۲) جائز ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے متقدمین اصحاب کا کہنا یہ ہے کہ یہ سفر حرام ہے۔ البتہ متأخرین اصحاب میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ اختلاف کی وجہ یہ بھی کہ حدیث "لا تشد الرحال" میں صیغہ خبر ہے جس کا معنی نہی کا ہے جس سے ثابت ہوا کہ یہ سفر حرام ہے۔

بعض نے کہا کہ اس حدیث میں صیغہ نہی ہے جس کا معنی یہ ہوا کہ یہ سفر نہ مسنون ہے، نہ واجب، نہ مستحب بلکہ مباح ہے۔ یہ سفر ایسا ہی ہوگا جیسے بغرضِ تجارت کسی شہر کا سفر کیا جائے۔

ان کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ بغرض تجارت سفر کرنے سے عبادت مقصود نہیں ہوتی بلکہ دنیوی اغراض مدِ نظر ہوتے ہیں جو مباح ہیں بخلاف زیارت قبور کے زیارت قبور کا مقصد ہی عبادت ہوتا ہے۔ اور عبادت واجب یا مستحب عمل کے ذریعے ہی ہو سکتی ہے جب یہ بات بالاتفاق ثابت ہو گئی کہ قبور کی زیارت کے لیے رخت سفر باندھنا نہ واجب ہے نہ مستحب تو جو شخص عبادت کے طور پر زیارتِ قبور کے لیے سفر کرتا ہے اسے مبتدع اور مخالفِ اجماع کہا جائے گا کیونکہ عبادت میں نئی باتیں پیدا کرنا جائز نہیں ہاں! جس شخص کو علم نہ ہو اسے معذور سمجھا جائے گا۔ لیکن سنّت طریقہ معلوم ہو جانے کے بعد اُسے چاہیے کہ وہ سنّت کی مخالفت نہ کرے اور نہ ہی کوئی ایسا عمل کرے جس سے آپؐ نے منع فرمایا ہے جیسے طلوع اور غروبِ آفتاب کے وقت نماز پڑھنا یا عیدین کے دن روزہ رکھنا وغیرہ حالانکہ نماز اور روزہ افضل ترین اعمال میں سے ہیں۔ اگر علم ہونے سے پہلے کرلے تو گناہ گار نہ ہوگا مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر متفق ہیں کہ قبور کی زیارت کے لیے سفر کرنا مستحب نہیں ہے نیز ائمہ اسلام میں سے کسی ایک سے بھی قبرستان کی طرف سفر کرنا مستحب منقول نہیں ائمہ کے مقلدین میں سے اگر کسی نے ایسا کہا ہو تو بعید از قیاس نہیں۔ لیکن مجتہد ائمہ میں سے کسی ایک نے بھی اسے مستحب نہیں کہا اور

اگر بالفرض محال کسی امام سے یہ منقول بھی ہو تو اس سلسلے میں یہ تیسرا قول سمجھا جائے گا۔ لیکن یاد رہے کہ یہ قول سنّت اور اجماع صحابہ کے خلاف ہوگا۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت اور اس کے کافی عرصہ بعد تک کسی بھی صحابی سے ثابت نہیں کہ اس نے کسی نبی یا کسی صالح انسان کی قبر کی طرف رختِ سفر باندھا ہو شام میں ابراہیم علیہ السلام کی قبر معروف تھی لیکن کسی صحابی نے قبرِ خلیل علیہ السلام کی زیارت کے لیے سفر نہیں کیے صحابہ کرام بیت المقدس تشریف لے جاتے وہاں نماز پڑھتے لیکن قبرِ خلیل علیہ السلام کے نزدیک نہ جاتے۔ قبرِ خلیل علیہ السلام اس وقت ظاہر بھی نہ تھی کیونکہ وہ اس مکان کے اندر تھی جسے سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے بنایا تھا۔ اور نہ ہی قبرِ یوسف علیہ السلام معروف تھی بلکہ اسے سن ہجری سے تین سو سال سے زیادہ عرصہ کے بعد ظاہر کیا گیا۔ اسی وجہ سے اس میں اختلاف واقع ہوا۔ اکثر اہلِ علم اس (قبر) کا انکار کرتے ہیں ــــــ ان میں امام مالکؒ سرِ فہرست ہیں صحابہ کرام نے کبھی بھی قبرِ خلیل علیہ السلام کو معروف کرنے کی نیّت سے سفر نہیں کیا۔ جب نصاریٰ نے شام پر قبضہ کیا تو انہوں نے اس مکان کو جس میں قبرِ خلیل تھی گرا کر وہاں کنیسہ بنا دیا۔ اور پھر جب مسلمانوں نے شام کو دوبارہ فتح کیا تو انہوں نے قبرِ خلیل کو کھلا رہنے دیا۔ صحابہ کے دَور میں قبرِ خلیل بالکل اسی طرح تھی جیسے قبرِ مکرم حجرہ میں تھی۔

صحابہ کرام میں ایک صحابی بھی ایسا نہیں ملتا جس نے مدینہ منورہ کا سفر اس نیّت سے کیا ہو کہ وہاں قبرِ مکرم ہے۔ بلکہ صحابہ کرام کا معمول یہ تھا کہ وہ مسجدِ نبوی میں تشریف لاتے۔ نماز پڑھتے۔ تشہد میں، مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت آپؐ پر درود و سلام پڑھتے درآں حالیکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارک میں مدفون تھے۔ صحابہ کرام نہ تو حجرہ کے اندر داخل ہوتے اور نہ ہی باہر کھڑے ہوتے۔

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اور عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب شام و عراق فتح

ہوتے اور یمن کے وفود مدینہ منورہ آنے شروع ہوئے تو وہ بھی مسجد نبوی میں نماز پڑھتے اور ان میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو قبر مکرم کے قریب جاتا یا حجرہ مبارک کے اندر داخل ہوتا یا حجرہ کے باہر مسجد میں کھڑا ہوتا بلکہ ہر آنے والا حجرے کے باہر ہی سے درود و سلام پڑھتا۔ انھی کے بارے میں ربِّ ذوالجلال ارشاد فرماتا ہے کہ:

فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ (المائدہ - ۵۴) — عنقریب اللہ تعالیٰ ایسی قوم لائے گا جس سے وہ محبت کریگا اور وہ قوم بھی اللہ سے محبت کریگی۔

اس مسئلہ میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ وغیرہ کا اعتماد ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل ہے۔ بہر کیف کسی مسئلہ میں خلف سلمان بھی ایک رائے رکھتے ہوں تو اس کی حیثیت دیگر نزاعی مسائل کی طرح ہوگی۔ کسی کی ذاتی رائے کو دین حق قرار دیا جائے اور اس کے مخالفین کو مستوجب سزا سمجھا جائے اور ان کی تکفیر کی جائے تو یہ بات مسلمانوں کے اجماع کے خلاف ہے۔ اب اس مسا

اب اس مسئلہ مذکورہ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے والا اگر دو دوسروں پر کفر کا فتوے لگائے تو حق تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اجماع صحابہ اور علماء امت کا مخالف درحقیقت کافر ہے۔ ہم اس میں یا دیگر مسائل میں غلطی کی وجہ سے کسی مسلمان کو کافر قرار نہیں دیتے۔ لیکن اگر بالفرض خطا کار کی تکفیر کی بھی جائے تو کتاب و سنت اور اجماع صحابہ و اجماعِ علماء امت کا مخالف کتاب و سنت وصحابہ کرام اُمت کے سلف صالحین ائمہ عظام کی پیروی کرنے والے کی نسبت کفر کا زیادہ حقدار ہے۔ ائمہ کرام ہی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ نظر دیگر مسائل میں اوامر و نواہی کا فرق بیان کیا ہے۔

ائمہ کرام ہی ایک ایسی جماعت ہے جنھوں نے فرمانِ رسولؐ اور دیگر اقوال میں فرق واضح کیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کام کا حکم فرما دیں وہ عبادت، اطاعت اور قربِ الٰہی کا ذریعہ ہوگا۔ اور جس کام سے منع فرما دیں وہ بسا اوقات شرک تک لے جاتا ہے جیسے گمراہ فرقے مشرکین اور اہلِ کتاب وغیرہ کر رہے ہیں۔ جیسے انبیاء کرام اور صالحین اُمت

کی قبور پر مساجد تعمیر کرتے ہیں، وہاں نماز پڑھتے اور نذریں مانتے ہیں اور بعض قبروں کا حج کرتے ہیں۔ بلکہ بعض تو قبروں کے حج کو بیت اللہ کے حج سے زیادہ افضل خیال کرتے ہیں قبر کے حج کا نام "حج اکبر" رکھتے ہیں ان کے بزرگوں نے اس موضوع پر کتب بھی لکھی ہیں۔ جیسے مفید بن نعمان نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "مناسک حج المشاہد" رکھا ہے اس مصنف نے مخلوق کے گھر کو اللہ تعالیٰ کے گھر کے برابر قرار دیا ہے حالانکہ اسلام یہ ہے کہ ہم صرف ایک اللہ کی عبادت کریں اور اس کی مخلوق میں سے کسی کو بھی اُس کا ہمسر، مدِ مقابل اور ہم نام قرار نہ دیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا ۝ (مریم۔ ٦٥)	پس تم اس کی بندگی کرو۔ اور اسی کی بندگی پر ثابت قدم رہو۔ کیا ہے کوئی ہستی تمہارے علم میں اس کی ہم پایہ ؟
وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝	اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے۔
لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝ (الشوریٰ۔ ١١)	کائنات کی کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں۔ وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔
فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ (البقرۃ۔ ٢٢)	پس جب تم جانتے ہو تو دوسروں کو اللہ کا مدِ مقابل نہ ٹھہراؤ۔

صحیحین میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔

ان تجعل لله ندا وهو خلقك	یہ کہ تو کسی کو اللہ کا مدِ مقابل ٹھہرائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے۔
قلت: ثم اى؟ قال: ان تقتل ولدك خشية ان يطعم	میں نے عرض کی اسکے بعد کون سا بڑا گناہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہ کہ تو اپنی اولاد کو اس ڈر

معك۔ — سے قتل کرے کہ وُہ تیرے ساتھ کھانے میں حصہ بٹائے گی۔

قلت: ثم ای؟ — میں نے عرض کی کہ اسکے بعد بڑا گناہ کون سا ہے؟

قال: ان تزانی بحلیلۃ جارک۔ — آپؐ نے فرمایا یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتے ہوئے مندرجہ ذیل آیات نازل فرمائیں۔

وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ یَلْقَ اَثَامًا ۙ

(الفرقان - ۶۸)

جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اللہ کی حرام کی ہُوئی کسی جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے۔ اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں یہ کام جو کوئی کرے وُہ اپنے گناہ کا بدلہ پائے گا۔

ایک دُوسرے مقام پر فرمایا کہ:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَھُمْ کَحُبِّ اللّٰہِ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ؕ

(البقرہ - ۱۶۵)

کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دُوسروں کو اس کا ہمسر اور مدِّمقابل ٹھہراتے ہیں اور ان کے ایسے گرویدہ ہیں جیسی اللہ کے ساتھ گرویدگی ہونی چاہیے حالانکہ ایمان رکھنے والے لوگ سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔

اگر مخلوق سے بھی ایسی ہی محبت رکھتا ہے جیسی خالق سے رکھنی چاہیے یا بندے سے بھی اسی طرح ڈرتا ہے جیسے مالک سے ڈرنا چاہیے یا انسانوں سے بھی اُمید کا دامن اسی طرح وابستہ

کیے ہوتے ہے جیسے اللہ تعالیٰ سے ہونا چاہیے تو وُہ مشرک ہے رسُولِ اکرم ﷺ نے اپنی اُمّت کو چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے شرک سے منع فرمایا ہے حتیٰ کہ ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا کہ :

من حلف بغير الله فقد اشرك (ابوداؤد)[1] — جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اُس نے شرک کیا۔

ایک صحابی نے رسُول اللہ ﷺ سے کہا کہ۔

ماشاء الله و شئت۔ — جو اللہ تعالیٰ اور آپ چاہیں۔ آپؐ نے

فقال أجعلتني لله ندا ؟ بل ماشاء الله وحده[2] — فرمایا : کیا تو نے مجھے اللہ کا مدِمقابل ٹھہرا دیا ہے۔ بلکہ صرف یہ کہہ جو اللہ تعالیٰ چاہے (وہی ہوگا) اور آپؐ نے فرمایا ، یہ نہ کہا کرو

وقال : لا تقولوا ماشاء الله وشاء محمدا (ﷺ) ولكن قولوا ماشاء الله ثم شاء محمد (ﷺ)[3] — "جو اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ چاہیں" بلکہ یہ کہا کرو۔ جو اللہ چاہے پھر جو محمدؐ چاہیں۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ایک دفعہ شام سے مدینہ منورہ آتے تو آپؐ کو سجدہ کیا رسُول اللہ ﷺ نے پُوچھا۔

معاذ ! یہ کیا ؟

معاذ رضی اللہ عنہ یارسول اللہ ! میں نے شام میں یہود و نصاریٰ کو دیکھا کہ وُہ اپنے پوپ پادریوں وغیرہ کو سجدہ کرتے ہیں چنانچہ میں نے بھی تعظیماً ایسا ہی کیا۔

---

[1] ترمذی۔ ابواب النذور والایمان۔ باب ما جاء فی کراہیۃ الحلف بغیر اللہ
المستدرک۔ جلد ۱، صہ ۱۸، صہ ۵۲

[2] تفسیر ابن کثیر جلد ۱، صہ ۱۰۲، سنن ابو ماجہ۔ ابواب الکفارات۔

[3] المسند جلد ۳، صہ ۳۸۱، سنن ابن ماجہ۔ کتاب النکاح۔ باب حق الزوج علی امرۃ۔

آپؐ نے فرمایا۔ اے معاذ!

انہ لا یصلح السجود الا للہ ولو کنت امرا احدا ان یسجد لاحد لأمرت المرأۃ ان تسجد لزوجہا من عظم حقہ علیہا

اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے اگر میں کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت دیتا تو صرف عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے کیونکہ خاوند کا مرتبہ زیادہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ توحید اور مشرکین کے طریقہ ہائے زیارت قبور کے بارے میں فرق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اہل توحید جب زیارت قبور کے لیے جاتے ہیں تو میت کے لیے دُعاء، سلام اور بخشش کی دُعا کرتے ہیں جیسے نمازِ جنازہ میں دُعاء کی جاتی ہے۔ لیکن جب کوئی مشرک قبرستان میں جاتا ہے تو وُہ مخلوق کو خالق سے مشابہ ٹھہراتا ہے میت کے نام کی نذر و نیاز دیتا، اسے سجدہ کرتا اور اسے مشکل کُشا سمجھ کر پکارتا ہے اور اس سے اس طرح محبت کا اظہار کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ سے محبت کی جاتی ہے پس اس طرح وُہ اپنے عمل سے اہلِ قبور کو اللہ تعالیٰ کا ساجھی اور اس کے برابر قرار دیتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو بڑی سختی سے اس بات سے روکا ہے کہ وُہ انبیاء یا ملائکہ وغیرہ کو اس کا شریک ٹھہرائیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۙ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ

کسی انسان کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ تو اس کو کتاب اور حکم اور نبوّت عطا فرمائے اور وُہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کے بجائے تم میرے بندے بن جاؤ۔ وُہ تو یہی کہے گا۔ کہ سچے ربانی بنو جیسا کہ اس کتاب کی تعلیم کا تقاضا ہے جسے تم پڑھتے اور پڑھاتے ہو۔ وُہ تم سے ہرگز یہ نہ کہے گا کہ فرشتوں کو یا پیغمبروں

أَرْبَابًا ط أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ع (آل عمران ۸۰-۷۹)

کو اپنا ربّ بنا لو۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک نبی تمہیں کُفر کا حکم دے جب کہ تم مسلم ہو۔؟

دُوسرے مقام پر ارشاد الٰہی ہے کہ:

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ○ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ إِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ط إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ○

(بنی اسرائیل ۵۶-۵۷)

اِن سے کہو، پکار دیکھو اِن معبودوں کو جن کو تم خدا کے سوا (اپنا کارساز) سمجھتے ہو وُہ کسی تکلیف کو تم سے نہ ہٹا سکتے ہیں نہ بدل سکتے ہیں۔ جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وُہ تو خود اپنے ربّ کے حضور رسائی حاصل کرنے کا وسیلہ تلاش کر رہے ہیں۔ کہ کون اس سے قریب تر ہو جاتے اور وُہ اس کی رحمت کے اُمیدوار اور اس کے عذاب سے خائف ہیں حقیقت یہ ہے کہ تیرے ربّ کا عذاب ہے ہی ڈرنے کے لائق۔

اس آیت کے بارے میں سلف کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ سابقہ عوام و ملل میں سے کئی قومیں مصائب و مشکلات اور ابتلا کے وقت اپنے انبیاء مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت عزیرؑ اور اِسی طرح فرشتوں کو پکارا کرتی تھیں تاکہ مشکلات و مصائب سے نجات مل جاتے۔ ایسی اقوام کو اللہ تعالیٰ نے خبردار کیا کہ یہ تو میرے بندے تھے جو خُود میری رحمت کے طلب گار رہتے میرے عذاب سے ڈرتے اور اعمالِ صالحہ سے میرا قرب حاصل کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس بات سے بھی منع فرمایا ہے کہ اُسے مخلوق کا مثیل ٹھہرایا جائے یا کسی مخلوق کو اُس کے ساتھ تشبیہ دی جائے کیونکہ کوئی مخلوق ایسی نہیں جو اپنے اعمال ذو غرض

کی انجام دہی کیلئے اعوان و انصار و حاجب دربان وغیرہ کی محتاج نہ ہو اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ○

(البقرۃ - ۱۸۶)

اور اے نبی ﷺ میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں، تو انہیں بتا دو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں۔ پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے میں اس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں۔ لہذا انہیں چاہیے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں شاید کہ وہ راہِ راست پالیں۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِنْ ظَهِيرٍ ○ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ۚ

(السبا - ۲۲-۲۳)

اے نبی ﷺ! ان سے کہو کہ پکار دیکھو اپنے ان معبودوں کو جنہیں تم اللہ کے سوا اپنا معبود سمجھے بیٹھے ہو۔ وہ نہ صرف آسمانوں میں کسی ذرہ برابر چیز کے مالک ہیں نہ زمین میں۔ وہ آسمان و زمین کی ملکیت میں شریک بھی نہیں ہیں ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار بھی نہیں ہے اور اللہ کے حضور کوئی شفاعت بھی کسی کے لیے نافع نہیں ہو سکتی بجز اس شخص کے جس کے لیے اللہ نے سفارش کی اجازت دے دی ہو۔

رسولِ اکرم ﷺ سید الشفعاء ہیں آپ کی شفاعت دیگر تمام شفاعتوں سے اعظم و اکبر ہے اور آپ کا مرتبہ اللہ کے ہاں تمام مخلوق سے بلند و بالا ہے۔ مخلوقِ خدا قیامت کے دن جب

سیدنا آدم علیہ السلام نوح علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام سے طالب شفاعت ہوگی تو ہر نبی اس ذمہ داری کو دوسرے پر ڈالے گا حتیٰ کہ جب معاملہ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے گا۔ تو وہ ارشاد فرمائیں گے، تم سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں جاؤ۔ وہ ایسے نبی ہیں جن کی اگلی پچھلی تمام خطائیں اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دی ہیں آپ فرماتے ہیں جب مخلوقِ خدا میرے پاس آئے گی تو۔

فاذهب فاذا رايت ربى خررت له ساجدا واحمد ربى بمحامد يفتحها على لا احسنها الآن۔

میں اُن کے ساتھ چلوں گا جب اللہ کو دیکھوں گا تو سجدے میں گر جاؤں گا اور اللہ کی ایسی حمد و ثنا بیان کروں گا جو اب نہیں کر سکتا

فيقال: اى محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ارفع رأسك وقل يسمع وسل تعطه واشفع تشفع۔

پھر مجھے کہا جائے گا کہ اپنا سر اٹھائیے اور مدعا بیان کیجیے۔ آپ کی بات سُنی جائے گی۔ اور سوال کیجیے دیا جائے گا۔ سفارش کیجیے، قبول ہوگی۔

قال: فيحد لى حدا فأخرجهم فأدخلهم الجنة۔ الخ [1]

آپ نے فرمایا میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی اسی حد کے اندر میں لوگوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا۔

پس جو شخص اہلِ کبائر کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا انکار کرتا ہے وہ بدعتی اور گمراہ ہے۔ جیسے خارجی اور معتزلہ وغیرہ۔

اور جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ مخلوق میں سے کچھ ایسے افراد بھی ہوں گے جو اللہ کی اجازت

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الرقاق۔ باب صفۃ الجنۃ والنار۔
صحیح مسلم۔ کتاب الایمان۔ باب اثبات الشفاعۃ۔ اردو ملی البانی۔ حدیث ۱۲

بغیر شفاعت کریں گے تو اس نے قرآنِ کریم اور اجماعِ امت کی تکذیب اور مخالفت کی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗۤ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ؕ
(البقرۃ - ۲۵۵)

کون ہے جو اس کی جناب میں اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے۔؟

وَلَا یَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی
(انبیاء - ۲۹)

وُہ کسی کی سفارش نہیں کرتے بجز اس کے جس کے حق میں سفارش سُننے پر اللہ راضی ہو۔

وَکَمْ مِّنْ مَّلَکٍ فِی السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِیْ شَفَاعَتُہُمْ شَیْئًا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ یَّاْذَنَ اللّٰہُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَرْضٰی ○
(النجم - ۲۶)

آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے موجود ہیں۔ ان کی شفاعت کچھ بھی کام نہیں آسکتی جب تک کہ اللہ کسی ایسے شخص کے حق میں اس کی اجازت نہ دے جس کے لیے وہ کوئی عرضداشت سنا چاہے اور اس کو پسند کرے۔

وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا ہَمْسًا ○ یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَۃُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَہٗ قَوْلًا ○
(طٰہٰ - ۱۰۸ - ۱۰۹)

اور آوازیں رحمان کے آگے دب جائیں گی ایک سرسراہٹ کے سو تم کچھ نہ سُنو گے۔ اس دن شفاعت کارگر نہ ہوگی، الا یہ کہ کسی کو رحمان اس کی اجازت دے اور اس کی بات سُننا پسند کرے۔

مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِہٖ ؕ
(یونس - ۳)

کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے الا یہ کہ اس کی اجازت کے بعد شفاعت کرے؛

مَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ ؕ
(السجدۃ - ۴)

اس کے سوا نہ تمہارا کوئی حامی و مددگار ہے اور نہ کوئی اس کے آگے سفارش کرنے والا۔

اس موضوع پر قرآنِ کریم میں بے شمار آیات ہیں۔

پس دین رسُول اللہ ﷺ کی تابعداری کا نام ہے۔ جس کام کا حکم دیں اس پر عمل کیا جائے اور جس سے منع فرما دیں اُسے ترک کر دیا جائے۔ اور جن اعمال و شخص سے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسُول محبت رکھیں ان سے محبت کی جائے اور جن سے بغض رکھیں ان سے عداوت کی جائے۔ ربّ ذوالجلال نے رسُول اکرم ﷺ کو فرقانؔ سے نوازا۔ لہٰذا آپؐ نے حق و باطل میں فرق واضح کر دیا۔ اَب کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جن دو چیزوں میں رسُول اللہ ﷺ نے تفریق کی ہے ان کو جمع کرے۔

پس جس شخص نے مسجد الحرام یا مسجد اقصٰے یا مسجدِ نبوی کی زیارت کی نیت سے سفر کیا اور مسجد نبوی اور مسجد قباء میں جا کر نماز ادا کی اور سُنّتِ نبوی کے مطابق قبرستان کی زیارت بھی کی تو اس نے اچھا عمل کیا۔ اور جو شخص ایسے سفر کا انکار کرے وُہ کافر ہے اگر توبہ نہ کرے تو اُسے قتل کر دیا جائے۔

البتہ وُہ شخص جس نے صرف قبرِ مکرّم کی زیارت کے لیے سفر کیا اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی نیّت نہیں ہے مدینہ منورہ پہنچ کر اس نے مسجد نبوی میں نہ نماز ادا کی اور نہ حضور ﷺ کی ذات پاک پر درود و سلام بھیجا۔ بلکہ صرف قبرِ مکرم کے پاس آیا اور واپس چلا گیا۔ تو ایسا شخص بدعتی اور گمراہ ہے، سُنّتِ رسُول اجماعِ صحابہ اور علماءِ اُمّت کا مخالف ہے ایسے شخص کے بارے میں دو قول ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ وُہ فعلِ حرام کا مرتکب ہُوا ہے۔

(۲) دُوسرا قول یہ ہے کہ ایسے شخص کے لیے نہ کوئی سزا ہے اور نہ اجر و ثواب۔

رہی زیارتِ شرعی جس پر علمائے اُمّت کا عمل ہے وُہ یہ ہے کہ مسجد نبوی میں نماز پڑھی جائے نماز کے دَوران میں اور مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجا جائے۔ یہ عمل تمام مسلمانوں کے نزدیک باتفاق مسنون ہے۔

ہم نے مناسک اور اپنے فتاویٰ میں اس بحث کا ذکر کرتے ہُوئے لکھا ہے کہ جب

کوئی شخص قبرِ مکرم کے پاس آئے تو آپ ﷺ پر اور آپ کے دونوں ساتھیوں ابوبکر رضی اللہ عنہ
عمر رضی اللہ عنہ پر سلام کہے۔ نیز ہم نے اپنے فتاویٰ میں اختلاف کا ذکر نہیں کیا تھا حالانکہ
ان میں علماء کا اختلاف ہے۔

بعض علماء کا کہنا ہے کہ زیارتِ قبور مطلقاً مستحب نہیں اور بعض کا کہنا ہے کہ مطلقاً
مکروہ ہے مکروہ کہنے والوں میں ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ، شعبی رحمۃ اللہ اور محمد بن سیرین رحمۃ اللہ
کے ہمارے گرامی القدر تذکرہ ہیں۔ ان کا شمار اجلّہ تابعین میں ہوتا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ
سے بھی یہی منقول ہے لیکن ان کا ایک قول یہ ہے کہ زیارتِ قبور مباح ہے مستحب نہیں امام احمدؒ
کے ایک قول سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے لیکن ان کا اور جمہور علماء کا ظاہر مسلک یہ ہے
کہ زیارتِ شرعیہ مستحب ہے۔ زیارتِ شرعیہ یہ ہے کہ دعا کی غرض سے مومنین کے قبرستان کی
زیارت کے لیے جائے ان کے لیے دعا کرے اور ان پر سلام کہے۔ کفار کی قبروں پر بھی جانا
چاہیے کیونکہ اس سے آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

جب رسول اکرم ﷺ تو آپ کو تمام مخلوق پر ایسی فوقیت حاصل ہے جس
کی مثال نہیں ملتی اور وہ یہ کہ عام قبر کی زیارت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ صاحبِ قبر کے لیے دعا
کی جائے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کے لیے تو حکم ہے کہ پانچ وقت نمازیں، مسجد میں داخل ہوتے
اور نکلتے وقت، اذان کے اختتام پر نیز دعا کرتے وقت رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام
بھیجا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے قبروں کو عبادت گاہ بنانے سے منع فرمایا۔ خاص طور
پر آپ نے اپنی قبر کو میلہ کی جگہ بنانے سے سختی سے روکا۔ نیز اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کی کہ
"اے اللہ! میری قبر کو وثن (معبود) نہ بنا دینا" لہٰذا قبرِ مکرم کے پاس جانے سے ہر شخص کو روک
دیا گیا حالانکہ عام قبروں پر جانے کی اجازت ہے۔

مسجد نبوی اور دوسری مساجد میں آنحضرت ﷺ کے لیے درود و سلام جس
کثرت سے پڑھا جاتا ہے یہ ایسی خصوصیت اور فضیلت ہے جو کسی دوسرے نبی کو حاصل

نہیں۔ عام قبروں پر جو جائز اعمال ہوتے ہیں۔ قبر مکرّم کو ان سے بھی مستثنیٰ کر دیا گیا ہے رہا قبروں کو سجدہ گاہ بنانا۔ تو قبر کے بارے میں حکم ہے کہ اُسے سجدہ گاہ نہ بنایا جائے اگرچہ وہاں نماز بھی اللہ ہی کے لیے نماز پڑھے اور اسی کو پکارے۔ لہٰذا ایسی صورت میں لوگوں کو یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ قبروں پر جا کر سجدے کریں۔ خالق کو چھوڑ کر مخلوق کو پکاریں اور مُردوں کے نام کی نذر و نیاز دیں یا ایسے اعمال بجا لائیں جو مشرک، بدعتی اور گمراہ فرقے بجا لاتے ہیں۔

جو شخص مسجدِ نبوی میں آتا ہے لیکن نماز نہیں پڑھتا بلکہ سیدھا قبر مکرم کے پاس جاتا ہے۔ اور وہیں سے بغیر نماز پڑھے نکل جاتا ہے تو یہ ایسا فعل ہے جس کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ اسلام نے معیوب قرار دیا ہے اور علمائے امّت میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جس نے اس فعل کو مستحب قرار دیا ہو۔ البتہ اس بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے کہ آیا یہ فعل حرام ہے یا مباح۔؟

علمائے امت میں سے ایک شخص بھی ایسا نہیں جس نے اس فعل کو مستحب کہا ہو بلکہ انہوں نے ایسے سفر کو معیوب قرار دیا ہے جس کا مقصد صرف قبر پاک کی زیارت ہو مسجد نبوی میں نماز پڑھنا پیشِ نظر نہ ہو۔ ان کی رائے میں یہ سفر ایسا ہے جس سے رسولِ اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے چنانچہ سلفِ امت میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ملتا جس نے اس قسم کا سفر کیا ہو۔ بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد نبوی میں زیارت کے لیے جب سفر کر کے مدینہ منورہ پہنچتے تو مسجدِ نبوی میں نماز پڑھتے، اور دورانِ نماز میں مسجد میں داخل ہوتے اور مسجد سے نکلتے وقت رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام پڑھتے اور پھر خلیفۂ وقت کی خدمت میں حاضر ہو کر اہم امور پر تبادلۂ خیال کرتے۔ لیکن قبر مکرم کے قریب جانے کی کوشش نہ کرتے۔ صحابۂ کرامؓ سے یہ عمل حدِ تواتر کو پہنچا ہوا ہے۔ کوئی شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ کسی ایک صحابی نے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کے پیچھے نماز پڑھی ہو اور پھر اسی وقت یا کچھ دیر ٹھہر کر یا کسی اور وقت حجرۂ مبارک کے پاس گیا ہو۔ حجرۂ مُبارک میں داخلے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تمام صحابہ کرام کا یہ طریقہ تھا کہ اگر وُہ سفر کرکے مسجد نبوی میں تشریف لاتے تو وہاں پہنچ کر وہی اعمال کرتے جو رسول اللہ ﷺ نے انہیں سکھلائے اور سمجھائے تھے وُہ قبر مکرم کے پاس ہرگز نہ جاتے تھے۔ ایسے نفوس قدسیہ کے بارے میں یہ خیال کیسے کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے کبھی صرف زیارتِ قبرِ مکرم کی نیت سے سفر کیا ہوگا۔

اب جو شخص ایسے سفر کو مستحب سمجھتا ہے اُسے چاہیے کہ ائمۂ کرام میں سے کسی کا قول بطور دلیل پیش کرے۔ اور اگر بالفرضِ محال کسی امام سے یہ منقول بھی ہو تو اس کا قول سُنّتِ نبوی، اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور علمائے اُمت کے خلاف سمجھا جائے گا۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۚ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝

(النساء۔ ۱۱۵)

اور جو شخص رسول اللہ ﷺ کی مخالفت پر کمربستہ ہو اور اہلِ ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے درآں حالیکہ اس پر راہِ راست واضح ہو چکی ہو تو اس کو ہم اسی طرف چلائیں گے جدھر وُہ خود پھر گیا اور اُسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین جائے قرار ہے۔

اور آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئٍ ما نوی

اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے جس نے جو نیت کی اُسے اسی کے مطابق بدلہ ملے گا۔

تمام علمائے اسلام نے اپنی کتب مناسک میں مسجد نبوی کی طرف سفر کرنے کو مستحب لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ جس شخص کو مسجد نبوی میں حاضری دینے کا موقع ملے اُسے قبر مکرم کی زیارت کرنی چاہیے۔ ان میں یک شخص بھی ایسا نظر نہیں آتا جس نے یہ لکھا ہو کہ محض

زیارت قبرِ مکرم کی نیت سے سفر کرنا مستحب ہے۔ لہٰذا اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ انہوں نے کسی اور بزرگ کی قبر کی زیارت کے لیے سفر کو مستحب ٹھہرایا ہو بلا شبہ گذشتہ زمانے میں بعض لوگ ایسے موجود رہے ہیں اور اب بھی ہیں جو صرف زیارتِ قبرِ مکرم کی نیّت سے مدینے آتے ہیں۔ لیکن وُہ ایسے افراد ہیں جن کو شریعت مطہرہ کے علم کی ہوا تک نہیں لگی یہاں تک کہ انہیں اوامر و نواہی کا بھی پتہ نہیں۔ ہم ایسے افراد کو جہالت کی وجہ سے معذور سمجھتے ہیں شاید اللہ تعالےٰ انہیں معاف فرمادے۔ لیکن جو لوگ شریعت کا علم رکھتے ہیں، حدود اللہ اور اوامر و نواہی پر ان کی نگاہ ہے ایسے علماء میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس نے یہ لکھا ہو کہ محض زیارتِ قبرِ مکرم یا کسی اور قبر کے لیے رختِ سفر باندھنا جائز ہے۔ بلکہ جید علماء کرام نے ایسے سفر کو حرام قرار دیا ہے۔ ان میں امام مالک رحمۃ اللہ امام شافعی رحمۃ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کے اصحاب قابلِ ذکر ہیں۔ البتہ بعض متأخرین اصحابِ شافعی رحمۃ اللہ واحمد رحمۃ اللہ نے ایسے سفر کے متعلق صرف یہ لکھا ہے کہ یہ حرام نہیں ہے۔

اور جو لوگ عدم حرمت کے قائل ہیں ان میں بھی اس بات پر اختلاف ہے کہ جو شخص صرف کسی نبی یا ولی کی قبر کی زیارت کے لیے رختِ سفر باندھے آیا وُہ نماز قصر کرے یا پُوری پڑھے۔؟ اس مسئلے میں دو قول مشہور ہیں جن کو ہم نے ایک سوال کے جواب میں الگ اور مستقلاً نقل کیا ہے۔

بعض لوگوں نے انبیاء اور عام لوگوں کی قبور میں فرق کیا ہے اور کہا ہے کہ صرف زیارتِ قبور کی نیت سے سفر کرنا حرام ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ اور اُن کے اصحاب نیز امام شافعی رحمۃ اللہ اور امام احمد رحمۃ اللہ کے متقدمین اصحاب کا یہی مسلک ہے ان کا کہنا یہ ہے کہ جس کا سفر ہی مبنی بر گناہ ہو وُہ نماز میں قصر کیسے کر سکتا ہے پس ایسا شخص قصر نہ کرے۔

رہے وُہ لوگ جن کو ایسے سفر کی حرمت کا علم نہیں ہے اگر ایسے لوگ قصر کریں تو

ان کی نماز جائز ہوگی اور علم کے بعد نماز کو لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ جیسا کہ کوئی طالب علم سماعِ حدیث کے لیے سفر کرتا ہے اور منزلِ مقصود پر پہنچ کر اُسے پتہ چلتا ہے کہ وُہ جس کے پاس آیا ہے وُہ تو کذاب یا جاہل ہے تو ایسے سفر میں قصہ جائز ہے اور جس شخص کو علم ہے کہ ایسا سفر حرام ہے تو وُہ سفر ہی نہیں کرے گا۔ کیونکہ ایک سچّا مسلمان فعلِ حرام سے تقرب الی اللہ کی کوشش ہی نہیں کرتا۔

نبیاء اور صالحین کی قبروں کی زیارت کے سفر میں نماز قصر کے متعلق امام احمد کے صحاب میں چار اقوال مشہور ہیں۔

(۱) مطلقاً قصر نہیں۔

(۲) مطلقاً قصر ہے۔

(۳) صرف قبرِ مکرّم کی زیارت والے سفر میں قصر کر سکتا ہے۔

(۴) قبرِ مکرّم اور دیگر انبیاء کی قبور کی زیارت کے سفر میں قصر کر سکتا ہے لیکن تمام صلحا کی قبور کی زیارت میں نہیں

جن لوگوں نے قبرِ مکرّم کی زیارت کے سفر میں قصر کو جائز کہا ہے اُنہوں نے اس کی دو وجوُہ نقل کی ہیں۔

(۱) اس کی پہلی وجہ یہ ہے۔ اور یہ صحیح ہے۔ کہ زیارتِ قبرِ مکرّم کے لیے سفر درحقیقت مسجدِ نبوی کی طرف سفر ہے اور مسجدِ نبوی کے سفر میں قصر باجماعِ امّت جائز ہے۔ ان علماء نے مطلق سفر کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ زیارتِ قبرِ مکرّم اور زیارتِ مسجدِ نبوی کی نیت میں فرق نہیں کیا۔ کیونکہ جو مسلمان قبرِ مکرّم کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ کے لیے سفر کرے گا وُہ مسجدِ نبوی میں نماز ضرور پڑھے گا۔ پس جس شخص نے قبرِ مکرّم کی زیارت کے لیے سفر کیا اُس نے گویا مسجدِ نبوی میں ادائے نماز کے لیے سفر کیا۔ اسی لیے بعض شافعی علما کا قول ہے کہ جو شخص زیارتِ قبرِ مکرّم کی نذر مانے اُسے اپنی نذر پوری کرنی چاہیے اور جو شخص کسی اور قبر کی زیارت کی نذر مانے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

اکثر علماء نے قبر مکرم کی طرف سفر کو مطلق خیال کیا ہے۔ ان کے نزدیک قبر مکرم کی طرف سفر کی نیت میں مسجد نبوی کی طرف سفر کی نیت بھی شامل ہے کیونکہ جو مسلمان حجرہ مبارک کے پاس آئے گا تو وہ مسجد نبوی میں نماز ضرور ادا کرے گا۔ پس یہ دونوں باتیں لازم و ملزوم ہیں۔

پھر ان علماء میں سے جو یہ کہتے ہیں کہ مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ ابتدا سے سفر ہی سے مسجد نبوی میں ادائے نماز کی نیت رکھے۔ ان کے نزدیک اس سفر کا پورا کرنا لازم ہے ان میں سے کسی نے بھی صرف قبر مکرم کی زیارت کی نیت سے سفر نہیں کیا۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ صرف قبر مکرم کی زیارت کی نیت کرنا بھی جائز ہے۔ ان کے خیال میں قبر مکرم کو جو استثنائی خصوصیت حاصل ہے وہ صرف نبی اللہ کی قبر ہونے کے باعث ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک تمام قبور انبیاء کی زیارت کے سفر میں نماز قصر جائز ہے۔ لیکن صلحاء کی قبروں کی طرف سفر میں قصر جائز نہیں۔

درحقیقت زیارت قبر مکرم کے سفر میں یہ بات لازمی ہے کہ انسان مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی نیت کرے۔ پس جو شخص قبر مکرم کی زیارت کے لئے سفر کرتا ہے وہ لازماً مسجد نبوی میں نماز بھی پڑھے گا اس طرح اُسے لازماً اطاعت، عبادت اور قربتِ الی اللہ کا ثواب حاصل ہوگا۔ اور جہاں تک نفس سفر کا تعلق ہے تو حدیث کا علم رکھنے والے تو مسجد نبوی ہی کی طرف سفر کی نیت کرتے ہیں۔ اگر کبھی کسی نے صرف قبر مکرم کی زیارت کی نیت کی ہے جو ممنوع ہے تو ایسا صرف اس لئے ہوا کہ اُسے علم نہ تھا۔ اور جو شخص لاعلمی کی وجہ سے قبر مکرم کی زیارت کی نیت سے سفر کرے وہ بھی مسجد نبوی میں نماز ضرور پڑھے جس کا اُسے اجر ملے گا لیکن اس کی لاعلمی کی وجہ سے اُسے سزا نہیں ملے گی۔

رہا وہ شخص جو قبر مکرم کے علاوہ کسی دوسری قبر کی زیارت کی نیت سے سفر کرتا ہے حالانکہ شریعت میں اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے تو ایسے شخص کو لاعلمی کی وجہ سے اجر بھی ملے گا اور جہالت کی وجہ سے معاف بھی کر دیا جائیگا

ایسی مساجد میں نماز پڑھنا مطلقاً ممنوع ہے جو قبروں پر بنائی گئی ہوں. بخلاف مسجد نبوی کے کہ اس میں ایک نماز کا ثواب ہزار نمازوں کے برابر ملتا ہے۔ کیونکہ اس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔ مسجد نبوی کو فضیلت وعظمت کا یہ بلند درجہ رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں بھی حاصل تھا۔ اور حجرہ مبارک کے اس میں شامل ہونے سے پہلے خلفاء راشدین کے دور میں بھی جب کہ خود رحمت عالم ﷺ اور مہاجرین وانصار صحابہ رضی اللہ عنہم اس میں نماز ادا کرتے تھے۔ اور اس میں نماز ادا کرنے کی جو فضیلت وعظمت اُس دَور میں تھی وہ اس میں حجرہ مبارک کے شامل ہو جانے کے بعد بھی باقی رہی۔ اور یہ تو ہم پہلے لکھ آتے ہیں کہ حجرہ مبارک ولید بن عبدالملک کے دور میں اس وقت مسجد نبوی میں شامل ہوا جب عہد صحابہ ختم ہو چکا تھا۔ ولید ۸۶ھ کے قریب تخت خلافت پر متمکن ہوا۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے نبی ہونے کی وجہ سے آپ کی قبر مکرم کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ اسی توجیہ کے پیش نظر وہ دوسرے انبیاء کرام کی قبروں کی طرف سفر کو بھی جائز سمجھتے ہیں اور اسی توجیہہ کو مدنظر رکھتے ہوئے لوگوں میں اختلاف پیدا ہوا ہے کہ آیا رسول اللہ ﷺ کی قسم کھائی جا سکتی ہے یا نہیں ؟ حالانکہ اس بات میں سب کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق جیسے عرش، کرسی، بیت اللہ، اور ملائکہ وغیرہ کی قسم کھانا ممنوع ہے۔

جمہور علماء جیسے امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے ایک قول کے مطابق نبی کی قسم نہیں اُٹھائی جا سکتی۔ اگر کوئی شخص قسم اٹھا بھی لے تو وہ منعقد نہ ہوگی جیسے عام مخلوق کی قسم اٹھانے سے قسم منعقد نہیں ہوتی اور ایسے شخص پر کسی قسم کا کفارہ بھی واجب نہ ہوگا جو غیر اللہ کی قسم اٹھا کر توڑ دے۔ صحیح بخاری میں آپ کا ارشاد ہے کہ

لَا تَحْلِفُوْا اِلَّا بِاللّٰہِ — صرف اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھاؤ۔

ایک اور موقع پر ارشاد نبوی ہے کہ

مَنْ کَانَ حَالِفًا فَلْیَحْلِفْ — جو شخص قسم اٹھانے کا ارادہ کرے تو وہ صرف اللہ

بِاللّٰہِ اَوْ لِیَصْمُتْ۔ کی قسم کھائے ورنہ خاموش رہے

کتب سُنن میں آپ کا یہ ارشاد بصراحت موجُود ہے کہ

مَنْ حَلَفَ بِغَیْرِ اللّٰہِ فَقَدْ اَشْرَکَ۔ جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اُس نے شرک کیا۔

امام احمدؒ بن حنبل سے یک قول یہ بھی منقول ہے کہ آنحضرتؐ کی قسم کھائی جا سکتی ہے کیونکہ آپؐ پر ایمان لانا اور کلمہ شہادت اور اذان میں آپؐ کا ذکر واجب ہے۔ آپؐ پر ایمان لانا ایسی خصوصیّت ہے جس میں کوئی دُوسرا شخص آپؐ کا شریک نہیں ہو سکتا[1]

---

[1] بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

راقم الحروف زیرِ مطالعہ کتاب کے ترجمہ و تفہیم کے دوران جب اس مقام پر پہنچا کہ امام اہل السنۃ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے حلف بالنبی کے جواز پر بھی ایک قول منقول ہے تو زمین پاؤں تلے سے نکل گئی۔ ایک سکتہ طاری ہو گیا۔ احقر نے علمائے حرمین الشریفین کی طرف رجوع کیا۔ مسئلہ کی نوعیت اُن کے سامنے پیش کی۔ شیوخ الحرمین نے تحریری طور پر جو جوابات مرحمت فرمائے اُن سے میری تشفّی ہی نہیں ہوئی بلکہ وہ ایمان میں پختگی کا ذریعہ بھی بنے۔ فجزاھم اللہ عنی وعن المسلمین خیرا۔ جن کا خلاصہ پیشِ خدمت ہے۔ نیز فتاوی کی اصل کاپی بھی مترجم کے پاس موجود ہے جو کسی بھی راہِ حق کے متلاشی کو دکھائی جا سکتی ہے۔

سماحۃ العلامہ فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز حفظہ اللہ تعالیٰ رئیس ادارات البحوث العلمیۃ والافتاء والدعوۃ والارشاد، الریاض؛ اس موضوع پر سیر حاصل علمی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح روایت سے ثابت ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا شرک ہے۔ ایسی قسم اٹھانے کا نتیجہ قسم اٹھانے والے کے حسب حال شرکِ صغریٰ یا شرک کبریٰ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی یک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ابن عقیلؒ کہتے ہیں کہ آپ کی قسم کھانا اس لئے جائز ہے کہ آپ نبیٔ مرسل ہیں اس پر دوسرے انبیاء علیہم السلام کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔

لیکن صحیح مسلک وہی ہے جس پر سلف و خلف ائمہ اسلام کا اتفاق ہے یعنی یہ کہ کسی مخلوق کی قسم نہیں کھائی جا سکتی خواہ وہ کوئی نبی یا غیر نبی ہو، فرشتہ ہو، بادشاہ ہو، یا کوئی بڑا پیر ہو۔ اکثر اہل علم کے نزدیک غیر اللہ کی قسم کھانا حرام ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے۔ اور امام احمدؒ کے بھی ایک قول کے مطابق فیصلہ یہی ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا حرام ہے۔ حتیٰ کہ ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ میں سے ایک کا یہ قول مشہور و معروف ہے کہ

لَاَنْ اَحْلِفَ بِاللّٰهِ كَاذِبًا اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اَحْلِفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ صَادِقًا۔

مجھے اللہ کی جھوٹی قسم کھانا زیادہ پسند ہے اس سے کہ میں غیر اللہ کی سچی قسم کھاؤں

مندرجہ ذیل الفاظ بھی مروی ہیں

لَاَنْ اَحْلِفَ بِاللّٰهِ كَاذِبًا اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اُضَاهِيَ۔

اللہ کی جھوٹی قسم کھانا مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ میں اس کے ساتھ کسی کو مشابہ قرار دوں

من حلف بغير الله فقد كفر او اشرك۔

جس شخص نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر کیا یا شرک کیا۔

صحیحین میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الله ينهاكم ان تحلفوا بآبائكم من كان حالفا فليحلف بالله او ليصمت۔

آباؤ اجداد کی قسمیں کھانے سے اللہ تعالیٰ تمھیں منع کرتا ہے۔ اور جو شخص قسم کھانا چاہے تو وہ صرف اللہ کی قسم کھائے یا وہ خاموش رہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث نبوی کے یہ الفاظ بھی موجود ہیں:

من كان حالفا فلا يحلف اِلَّا بِاللّٰهِ۔

جو شخص قسم کھانا چاہے اسے صرف اللہ کی قسم کھانی چاہیے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ غیر اللہ کی قسم کھانا شرک ہے اور شرک بہرحال جھوٹ سے بڑا گناہ ہے کیونکہ یہ جھوٹ کی (برائی کی) انتہا ہے کہ اسے شرک سے مشابہت دی جائے۔ جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے دو یا تین مرتبہ فرمایا کہ۔

عُدِلَتْ شَهَادَةُ الزُّوْرِ بِالْاِشْرَاكِ بِاللّٰهِ [1]	جھوٹی گواہی شرک باللہ کے برابر قرار دی گئی ہے۔

---

[1] مسند احمد۔ جلد ۲ صفحہ ۱۲۱

حاشیہ سابقہ صفحہ

قریش کی عادت تھی کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کی قسمیں کھایا کرتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بایں الفاظ ممانعت فرمائی کہ:۔

ان اللہ ینھاکم ان تحلفوا بآبائکم۔ (صحیح مسلم)	آباؤ اجداد کی قسمیں کھانے سے اللہ تعالیٰ تمہیں منع کرتا ہے۔

ایک صحیح روایت میں ذکر ہے کہ رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من حلف فقال فی حلفہ واللات والعزیٰ۔ فلیقل لا الٰہ الا اللہ ولیستغفر۔	جو شخص لات اور عزیٰ کی قسم کھائے تو اسے لا الٰہ الا اللہ کا اقرار اور استغفار کرنا چاہیے۔

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو لات اور عزیٰ کی قسم کھاتے ہوئے سنا تو فرمایا کہ لا الٰہ الا اللہ کہو۔

مندرجہ واقعات میں کلمۂ توحید اور استغفار کو رسولِ مکرم ﷺ نے حلف بغیر اللہ کا کفارہ قرار دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مشہور قول ہے:۔

لأن أحلف باللہ کاذباً احب لی من ان احلف بغیرہ صادقاً۔	اللہ کی جھوٹی قسم کھانا مجھے اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ میں غیر اللہ کی سچی قسم کھاؤں۔

ں کے بعد آپ ﷺ نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی کہ

وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ (الحج — ۳۰، ۳۱)	جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو یکسو ہو کر اللہ کے بندے بنو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے تو گویا وہ آسمان سے گر گیا۔ اب یا تو اُسے پرندے اُچک لے جائیں گے۔ یا ہوا اس کو ایسی جگہ لیجا کر پھینک دے گی جہاں اس کے چیتھڑے اُڑ جائیں گے

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مندرجہ بالا فرمان کی شرح میں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔
حلف باللہ توحید ہے اور حلف بغیر اللہ شرک ہے۔ توحید والی نیکی صدق والی نیکی سے بڑی ہے اور کذب کی بُرائی شرک کی بُرائی سے کم تر ہے۔ اِسی اصُول کو مدِ نظر رکھتے ہوئے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی جھوٹی قسم کو حلف بغیر اللہ پر ترجیح دی۔

اب جواز حلف بالرسول (ﷺ) کو لیجیے جسے بعض حنابلہ درست تسلیم کرتے ہیں۔
اِس کا جواب حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا وہ مشہور قول ہے جس میں وُہ مطلقاً حلف بغیر اللہ کو ممنوع اور شرک قرار دیتے ہیں۔ اِمام موصوف کے اِسی قول کو جمہور علماء نے صحیح کہا ہے اور یہی قول معتمد علیہ ہے۔

حلف بالرسول (ﷺ) کے بارے میں ہم پُوری ذمہ داری، اِنشراحِ صدر سے دلائلِ قطعیہ کی بنیاد پر عرض کرنا چاہتے ہیں کہ امام موصوف کا حلف بالرسول کے جواز والا قول

مخالف للاصول والنصوص الثابتة عن النبي ﷺ في النهي عن الحلف بغير الله وتحريمه مطلقاً۔	اصُول اور نصوص قطعیہ جو آنحضرت ﷺ سے حلف بغیر اللہ کی نفی اور حرام ہونے پر دلالت کناں ہیں، کے خلاف ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک یہ ایسا ممنوع عمل بلکہ فعل حرام ہے جو جھوٹی قسم کھانے سے بھی زیادہ سنگین ہے۔

اہلِ علم کے ایک گروہ کا گمان یہ ہے کہ حلف بغیر اللہ ایسا فعل ہے جس کی نہی ثابت نہیں ہے اور اس گروہ نے اِدھر اُدھر کے بے بنیاد دلائل بھی دیئے ہیں۔ لیکن ہم ان کے سامنے حق تعالیٰ کا ارشاد پیش کرتے ہیں جس میں حکم ہے کہ

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ	اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول
وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ	صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب
تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ	امر ہوں۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں
اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ	نزاع ہو جائے تو اُسے اللہ اور رسول کی طرف

کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی نجات اور خیر کے تمام راستوں کو اُمت کے لیے واضح اور متعین فرمایا اس لیے تمام علمائے اُمت کا اتفاق ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ یا اُس کی صفت ہی کی قسم کھائی جا سکتی ہے اور بس۔

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

لا يجوز الحلف بغير الله اجماعًا۔	غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت پر اجماع ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ میں رقمطراز ہیں :-

ان الحلف بسائر المخلوقات حرام عند جماهير علماء المسلمين	جمہور علماء کے نزدیک تمام مخلوق میں سے کسی کی قسم کھانا حرام ہے۔

پس مندرجہ بالا احادیث و اقوال نیز کتب صحاح اور سنن میں اس موضوع پر جو احادیث درج ہیں ان میں ان لوگوں کے دلائل اور توہمات کی تردید پائی جاتی ہے جو حلف بالنبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قائل ہیں۔

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ○ (النساء - ٥٩)

پھیر دو، اگر تم واقعی اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔

جواب

فضیلۃ العلامۃ الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل حفظہ اللہ تعالیٰ امام الحرم المکی الشریف

بعض لوگ حلف بغیر اللہ کے جواز پر دو امور سے استدلال کرتے ہیں:۔

پہلی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کئی چیزوں کی قسم کھائی ہے، جس کا تذکرہ قرآن کریم میں موجود ہے۔

دوسری دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دیہاتی نے آکر اسلام کے بارے میں کچھ سوالات کیے۔ آپ نے اس کو جواب دے کر ارشاد فرمایا کہ:

افلح وابیہ ان صدق

اگر اس نے سچ کہا ہے تو اس کے باپ کی قسم وہ کامیاب ہوا۔

اللہ تعالیٰ کا اپنی کسی مخلوق کی قسم کھانے کا اُسے حق ہے کہ جس کی چاہے قسم کھائے کیونکہ اللہ تعالیٰ جس چیز کی قسم کھاتا ہے اس کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت ہے، اس کی ربوبیت والوہیت کا اثبات ہے۔ گویا ان کی تعظیم درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی تعظیم ہے کیونکہ اللہ ہی نے ان کو پیدا کیا ہے۔ اس میں اللہ کی قدرت، حکمت، ربوبیت، الوہیت اور اس کی کامل صفات کی دلالت موجود ہے۔

رہی اس کی مخلوق تو اسے یہ حق نہیں کہ وہ کسی کی بڑائی بیان کرے کیونکہ اللہ کا حکم ہے کہ صرف اسی کی بڑائی بیان کی جائے اور مخلوق کو حق نہیں کہ اس کی تعظیم بیان کی جائے کیونکہ وہ مخلوق ہے، مربوب ہے۔ رب کریم نے اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم کسی کی بھی قسم نہ کھائیں۔ جیسے صحیحین کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من کان حالفاً فلیحلف باللہ اولیصمت۔

جو شخص قسم کھانا چاہے اسے صرف اللہ کی قسم کھانی چاہیے یا وہ خاموش رہے۔

پس اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسُول ﷺ نے جو حکم دیا ہے وہی صحیح ہے اور وہ یہ کہ آنحضرت ﷺ نے ○ غیر اللہ کی قسم کھانے ○ طلوعِ شمس اور غرُوبِ آفتاب کے وقت نماز پڑھنے ○ قبروں کو مسجد بنانے ○ اپنی قبرِ مکرم کو میلہ بنانے ○ اور تین مساجد کے علاوہ کسی بھی مسجد کی طرف سفر کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اور اس قسم کے تمام احکام کا مقصد یہ ہے کہ

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

الخالق یقسم بماشاء من خلقه والمخلوق لا یقسم الا بالخالق۔

خالقِ کائنات اپنی مخلوق میں سے جس کی چاہے قسم کھا سکتا ہے، البتہ مخلوق صرف اپنے خالق کی قسم کھا سکتی ہے۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں :۔

لأن اقسم بالله فاحنث احب الیّ من ان اقسم بغیره فابر

اللہ کی قسم کھا کر توڑ دینے کو میں اس بات پر ترجیح دیتا ہوں کہ غیر اللہ کی قسم کھا کر اسے پورا کروں۔

رہی دوسری دلیل جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ أفلح وأبيه ان صدق اس حدیث کے بارے میں علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لفظ وأبيه غیر محفوظ ہے کیونکہ اسماعیل بن جعفر کی روایت کے مطابق الفاظ یہ ہیں :۔

أفلح والله أن صدق ۔ اگر اس نے سچ کہا ہے تو بخدا وہ کامیاب ہوگیا۔

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دوسری روایت زیادہ صحیح ہے کیونکہ وأبيه ایسا منکر اور غیر معروف لفظ ہے جس کی تردید آثارِ صحابہ و تابعین اور صحیح روایات کر رہی ہیں۔

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ ایک نکتہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ بعض راویوں نے لفظ "والله" کی جگہ غلطی سے "وأبيه" پڑھ لیا جو بعد میں مشہور ہوگیا۔

دین خالص للہ کے لئے ہو جائے ○ عبادت صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ہو ○ توحید کی حفاظت ہو ○ دین سارے کا سارا اللہ ہی کے لئے ہو جائے ○ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ ہو ○ اُس کے سوا کسی کو نہ پکارا جائے ○ اُس کے سوا کسی سے خوف نہ کھایا جائے ○ اُس کے سوا کسی کے لئے نہ روزہ رکھا جائے نہ نماز پڑھی جائے ○ اُس کے سوا کسی کے نام کی نذر نہ مانی جائے ○ اُس کے سوا کسی کی قسم نہ کھائی جائے ○ بیت اللہ کے سوا کسی دوسرے گھر کا حج نہ کیا جائے کیونکہ فرض حج اللہ کے مقدس گھر کے علاوہ کسی کا نہیں اور وہ صرف مسجد الحرام ہے مستحب سفر سوائے دو مساجد کے اور کسی طرف نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان دونوں مساجد کو تعمیر کرنے کا شرف دو نبیوں کو حاصل ہے۔ جن میں مسجد نبوی کو خاتم المرسلین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے تعمیر فرمایا جس کی بنیاد ہی تقویٰ پر ہے۔ دوسری مسجد ایلیا یعنی مسجد اقصیٰ ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے وقت سے بھی پہلے کی تعمیر شدہ ہے۔

بعض علماء کا موقف یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں حلف بغیر اللہ کی ممانعت نہ تھی البتہ بعد میں اس کی حرمت بیان کر دی گئی چنانچہ حلف بغیر اللہ کی ممانعت اور اس کے شرک ہونے پر کافی احادیث نبوی موجود ہیں جیسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

ان النبی ﷺ ادرك عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فی ركب يحلف بابيه فقال ﷺ الا ان الله ينهاكم ان تحلفوا بآبائكم من كان حالفا فليحلف بالله او ليصمت۔

(بخاری مسلم)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک قافلے کے ساتھ جا رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنے باپ کی قسم کھاتے ہوئے سنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا خبردار اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے آباؤ اجداد کی قسمیں کھانے سے منع کیا ہے۔ لہٰذا جو شخص قسم کھانا چاہے تو اسے صرف اللہ کی قسم کھانی چاہیے یا وہ خاموش رہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک اور روایت بھی منقول ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا:-

صحیحین میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ سب سے پہلے کون سی مسجد تعمیر ہوئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد الحرام۔

میں نے سوال کیا کہ اس کے بعد کون سی مسجد تعمیر ہوئی؟ آپ نے فرمایا مسجد اقصیٰ۔ میں نے پھر سوال کیا کہ مسجد الحرام اور مسجد اقصیٰ کی تعمیر کے درمیان کتنی مدت کا وقفہ تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مسجد اقصیٰ چالیس سال بعد تعمیر ہوئی۔ اس گفتگو کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جہاں بھی وقت ہو جائے نماز پڑھ لیا کرو۔ وہی جگہ تمہارے لئے مسجد ہے۔ صحیح بخاری میں یہ الفاظ منقول ہیں کہ۔

فَاِنَّ فِیْهِ الْفَضْلُ   اسی جگہ نماز پڑھنا افضل ہے۔

آپ کا معمول بھی یہی تھا کہ جہاں نماز کا وقت ہو جاتا فوراً پڑھ لیتے۔

من کان حالفا فلا یحلف الا باللہ۔   جو شخص قسم کھانا چاہے وہ صرف اللہ کی قسم کھائے۔

قریش کی عادت یہ تھی کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کی قسمیں کھایا کرتے تھے۔ آپ نے ان کو منع فرمایا کہ:

لا تحلفوا بآبائکم   (مسلم)   اپنے آباؤ اجداد کی قسمیں نہ کھایا کرو۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ لات اور عزیٰ کی قسم کھا بیٹھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

قل لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ثم انفث عن یسارك وتعوذ ولا تعد   (نسائی۔ ابن ماجہ)   لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ کہو اور بائیں جانب تھوک دو اور اللہ کی پناہ مانگو اور پھر ہرگز ایسا نہ کرنا۔

خلاصۂ گفتگو یہ تھا کہ حلف بغیر اللہ زبان زد عام تھا حتیٰ کہ اسکی نفی اور ممانعت کر دی گئی۔

مسجد اقصیٰ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے وقت بھی تھی البتہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے
اُسے وسیع کر دیا پس ان تین مساجد کو انبیاء کرام نے تعمیر کیا تاکہ وہ خود اور دُوسرے لوگ بھی ان
میں نماز ادا کریں۔ پس جب انبیاء کرام نے مساجد میں نماز ادا کرنے کا قصد کیا تو ان کی طرف سفر
کر کے وہاں عبادت کرنا مشروع قرار دے دیا گیا تاکہ انبیاء کرام کی اتباع ہو جائے۔ جیسا
کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جب بیت اللہ تعمیر کر لیا تو انہیں حُکم الٰہی ہوا کہ وہ لوگوں کو اس
کا حج کرنے کی دعوت دیں چنانچہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے لیکر رسول اللہ ﷺ کی
کی بعثت تک لوگ جوق در جوق بیت اللہ کے حج کی نیت سے سفر کر کے مکہ مکرمہ آتے رہے
گرچہ ان پر حج فرض نہ تھا جیسا کہ اسلام کے ابتدائی دور میں فرض نہ تھا۔ حج کی فرضیت رسول اللہ
ﷺ کے آخری دور میں ہوئی جب کہ سورۃ آل عمران نازل ہوئی۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات میں یہ بات نہیں ملتی کہ آپ نے حلف بغیر اللہ یا
حلف بالنبی ﷺ کو جائز کہا ہو۔ البتہ آپ کے بعض شاگرد اپنی کتب میں حلف بالنبی کو امام صاحبؒ
کی طرف منسوب کرتے ہیں اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ
"امام صاحب کے نزدیک جو شخص غیر اللہ کی قسم کھائے اس پر کفارہ ہے۔"
اس سے تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حلف بغیر اللہ اور کفارہ آپس میں لازم و ملزوم نہیں کیونکہ
امام صاحبؒ نے ہمیشہ احتیاط کو پیش نظر رکھا اور احتیاط ہی کے پیش نظر غیر اللہ کی قسم کھانے والے پر
کفارہ ضروری قرار دیا ہے تاکہ وہ بری الذمہ ہو جائے۔
چنانچہ امام موصوف کے اصحاب میں اختلاف ہے کہ آیا کفارہ واجب ہے یا مستحب؟ چنانچہ
بعض وجوب کے اور بعض استحباب کے قائل ہیں جیسے شیخ الحنابلہ "المغنی" میں لکھتے ہیں کہ:۔
امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو ایجاب کی بجائے استحباب پر محمول کیا جائے" کیونکہ اگر قسم منعقد ہوتی تو کفارہ
واجب ہوتا۔ احتیاط کے قرائن قیاس کئے گئے ہیں۔ جیسا کہ امام موصوف سے منقول ہے کہ آپ فرقہ جہمیہ
کے پیچھے نماز کو جائز سمجھتے تھے۔ مگر آپ فرقہ جہمیہ کو کافر قرار دیتے تھے۔ یہاں تک آپ نے ان کے پیچھے نماز

سورۃ البقرہ میں تو تکمیل حج وعمرہ کا حکم اس شخص کے لئے ہے جو حج یا عمرہ کو شروع کر لے۔ اسی لئے جمہور علماء کے نزدیک نفلی حج یا عمرہ کی تکمیل واجب ہے۔ البتہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہاں پر اتمام کا مقصد وجوب بتانا ہے۔ لیکن ہماری رائے میں پہلا موقف صحیح ہے۔

کر احتیاطاً جائز سمجھا۔ اس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے کہ جیسے مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں شک کا فائدہ دیتے ہوئے آپ نے روزہ رکھنا واجب سمجھا ہے حالانکہ احادیث میں شک کی صورت میں روزہ رکھنے کی ممانعت ہے۔

ائمہ اربعہ اور دیگر علماء امت کا معروف مسلک بھی یہی ہے کہ مخلوق میں سے کسی کی قسم کھانا ممنوع ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے صحیحین کی ایک حدیث کی روشنی میں اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں :-

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من کان حالف فلیحلف باللہ او لیصمت۔ (متفق علیہ)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قسم کھانا چاہے اسے صرف اللہ کی قسم کھانی چاہیئے یا خاموش رہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

من حلف بغیر اللہ فقد کفر او اشرک۔ (ترمذی حاکم)	جس شخص نے کسی بھی غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر کیا یا شرک کیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مشہور قول ہے کہ

لان احلف باللہ کاذباً احب الیّ من ان احلف بغیرہ صادقاً۔	غیر اللہ کی سچی قسم کھانے پر اللہ کی جھوٹی قسم کھانے کو میں ترجیح دیتا ہوں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مندرجہ بالا قول کے موافق حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی قول منقول ہے۔ پس ثابت ہوا کہ حلف بغیر اللہ کذب سے بڑا گناہ ہے۔ حالانکہ تمام امتوں میں کذب حرام ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حلف بغیر اللہ تمام محرمات سے بدتر ہے۔

مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی ہر دو کو تعمیر کرنے کا شرف دو انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہے جنہوں نے لوگوں کو دعوت دی کہ وہ ان مساجد کی طرف عبادت کے لئے سفر کریں۔ ان مساجد کے علاوہ کوئی مسجد ایسی تعمیر نہیں کی گئی جس کی طرف سفر کر کے عبادت کا حکم ہو۔ یہ بھی یاد رہے کہ ان مساجد کے علاوہ اور مساجد بھی تھیں جن میں انبیاء کرام نے نمازیں ادا کی ہیں لیکن ان کی طرف سفر کرنے کو نہیں کہا گیا جیسا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کے علاوہ دوسری جگہ نماز ادا کرتے تھے البتہ لوگوں کو صرف حج بیت اللہ کی دعوت دی۔ انبیاء کرام میں سے کسی نے یہ دعوت نہیں دی کہ لوگ اس کی قبر یا اس کے گھر یا کسی اور مقدس مقام کی طرف سفر کریں۔ بلکہ اس بات کی دعوت دی کہ وہ صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کریں۔ اللہ تعالیٰ اولوالعزم انبیاء کا تذکرہ کرنے کے بعد ارشاد فرماتا ہے۔

اگر بالفرض تسلیم کر لیا جائے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ حلف بالنبی ؐ کے قائل تھے تو ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ امام صاحبؒ معصوم نہ تھے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں۔ امام صاحب کیا ہر شخص سے غلطی کا امکان ہے۔ لہٰذا امام صاحبؒ نے اپنے اس قول میں بطور دلیل نہ کوئی آیت پیش کی اور نہ ہی حدیث۔ لہٰذا کسی بھی امام کی رائے کو قبول کرنا ضروری نہیں خصوصاً جب کہ وہ کتاب و سنت سے معارض ہو۔ کتاب و سنت سے تعارض کی صورت میں ایسے قول کی تردید اور عدم عمل واجب ہو جاتا ہے۔ خود امام صاحبؒ اور دوسرے ائمہ کرامؒ نے بھی ایسے قول کی تردید کی وصیت اور تلقین کی ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی اور دوسرے ائمہ کی تقلید کی تردید میں فرماتے ہیں :۔

خذوا مما اخذوا ولا تقلدوا الرجال فی دینکم۔	احکام شریعت وہیں سے لو جہاں سے ائمہ کرام نے لیے تھے اور اپنے دین کے معاملے میں لوگوں کی تقلید نہ کرو۔

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں :۔

عجبت لقوم عرفوا الاسناد و	مجھے ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو سند اور

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۝

(الانعام - ۸۸ - ۸۹ - ۹۰)

یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کے ساتھ وہ اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتا ہے رہنمائی کرتا ہے لیکن اگر کہیں ان لوگوں نے شرک کیا ہوتا تو اُن کا سب کیا کرایا غارت ہو جاتا۔ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت عطا کی تھی۔ اب اگر یہ لوگ اس کو ماننے سے انکار کرتے ہیں تو ہم نے کچھ اور لوگوں کو یہ نعمت سونپ دی ہے جو اس سے منکر نہیں ہیں۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! وہی لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ تھے انہی کے راستہ پر تم چلو۔

صحته يذهبون الى رأى سفيان والله يقول "فليحذر الذين يخالفون عن امره ان تصيبهم فتنة او يصيبهم عذاب اليم"

اس کی صحت کو جان کر پھر حضرت سفیانؒ کی رائے کی طرف جاتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو لوگ آپ کی مخالفت کرتے ہیں، ان کو ڈرنا چاہیے کہ (کہیں ایسا نہ ہو کہ) ان پر کوئی آفت پڑ جائے یا تکلیف دینے والا عذاب نازل ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مشہور قول ہے کہ:

يوشك ان تنزل عليكم حجارة من السماء اقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وتقولون قال ابوبكر وعمر رضى الله عنهما

قریب ہے کہ تم پر آسمان سے پتھر برسیں میں تم کو یہ کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے اور تم یہ کہتے ہو کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کہتے تھے۔

غور کا مقام ہے کہ جب حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ موقف ہو تو

مندرجہ بالا دلائل کی روشنی میں ثابت ہوا کہ ان تین مساجد کو ان کی اصل جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ تعمیر کرنا جائز نہیں۔ رہیں دوسری مساجد! تو ان کی فضیلت بایں معنی مسلّم ہے کہ وہ اللہ کے ایسے گھر ہیں جہاں اُس کی عبادت کی جاتی ہے یہ ایسی قدرِ مشترک ہے جو ان مساجد اور ان کے علاوہ دوسری مساجد میں پائی جاتی ہے۔ ان تین مساجد میں بھی تفاوت ہے اس لحاظ سے کہ کسی میں کم اور کسی میں زیادہ عبادت ہوتی ہے یا ایک مسجد دوسری سے قدیم ہے - یہ تفاوت دوسری مساجد میں بھی موجود ہے اگر اسی وجہ سے سفر کرنا مسنون ہوتا تو عام مساجد کی طرف بھی سفر کرنے کا حکم ہوتا۔

کسی باعظمت جگہ کی طرف سفر کرنا حج کے مترادف ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر

ائمہ کرام یا کسی دوسرے عالم کی کتاب وسنت کے مقابلے میں کیا حیثیت ہوگی؟

حقیقت یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ دوسرے ائمہ کے مقابلے میں کتاب وسُنت سے دلیل اخذ کرنے میں زیادہ سخت اور محتاط تھے۔

ائمہ اربعہ اور دُوسرے علمائے اُمت کے نزدیک حلف بالمخلوق کے جواز پر کوئی دلیل اور حدیث مروی نہیں ہے بلکہ اس کی ممانعت میں احادیث موجود ہیں جیسے صحیحین کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

من کان حالفاً فلیحلف باللہ أو لیصمت۔ — جو شخص قسم کھانا چاہے اُسے صرف اللہ کی قسم کھانی چاہیے یا وہ خاموش رہے۔

ترمذی اور حاکم کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

من حلف بغیر اللہ فقد کفر او اشرک۔ — جس شخص نے کسی بھی غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر کیا یا شرک کیا۔

واللہ اعلم

اُمّت کسی نہ کسی قسم کا حج کرتی ہے۔ جیسے مشرکین عرب لات، عزّیٰ اور مناۃ وغیرہ کا حج کرتے تھے چنانچہ ایک یہودی عالم امیہ بن ابی صلت کو آنحضرت ﷺ کی بعثت کی خوش خبری دیتے ہوئے کہتا ہے کہ۔

إنه قد اظل زمن نبی یبعث وهو من بیت یحجه العرب۔ فقال امیة نحن معشر ثقیف فینا بیت یحجه العرب۔	ایک نبی کے مبعوث ہونے کا وقت آگیا جو ایسے گھر میں پیدا ہوگا۔ جس کا لوگ حج کرتے ہیں۔ امیہ نے کہا۔ ہم بنو ثقیف ہیں ہم میں ایسا گھر ہے جس کا لوگ حج کرنے آتے ہیں۔
فقال الحبر: انه لیس منکم انه من اخوانکم من قریش۔	یہودی عالم نے کہا کہ وہ نبی تم میں سے نہیں بلکہ وہ تمہارے بھائی قریش میں سے ہوگا۔

مندرجہ بالا عبارت میں امیہ بتا رہا ہے کہ عرب لاتؔ، عزّیٰ وغیرہ کا حج کیا کرتے تھے علماء سلف کا ایک گروہ لاتؔ کے بارے میں لکھتا ہے۔

ان هذا کان رجلا یلت السویق للحاج و یطعمهم ایاه فلما مات عکفوا علی قبره وصار وثنا یحج الیه و یصلی له و یُدعیٰ من دون الله۔	وہ ایک آدمی تھا جو حاجیوں کو ستو دیا کرتا تھا جب وہ فوت ہوگیا تو لوگ اس کی قبر پہ مجاور بن کر بیٹھ گئے جو رفتہ رفتہ بُت بن گئی جس کا لوگ حج کرتے۔ اس کیلئے نماز پڑھتے اور اُسے اللہ کے سوا پکارتے۔

سلفِ اُمّت کی ایک جماعت آیت ”فرایتم اللات“ کو تشدیدت پڑھتی ہے۔

- لاتؔ اہل طائف کا بُت تھا۔
- عزّیٰ اہلِ مکہ کا مشکل کُشا۔
- اور اہل مدینہ مناۃ دیوی کی پوجا کرتے تھے۔

اسی لئے غزوۂ احد میں ابوسفیان نے بآواز بلند کہا کہ

اُعْلُ هُبَل — ہبل بلند ہو

آنحضرت ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہا کہ اس کا جواب کیوں نہیں دیتے

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہم کیا جواب دیں؟ آپ ﷺ

نے فرمایا یہ جواب دو کہ

اَللّٰهُ اَعْلٰى وَ اَجَلُّ — اللہ ہی بلند و بالا ہے۔

ابوسفیان نے یہ جواب سن کر کہا کہ

لنا العزّٰى ولا عزّٰى لكم — ہمارا مددگار عزّیٰ ہے تمہارا کوئی عزّیٰ نہیں

رسول اللہ ﷺ نے پھر صحابہ سے کہا۔ اس کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ صحابہ کرام

نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہم کیا جواب دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ جواب دو کہ

الله مولانا ولا مولا لكم — ہمارا مددگار اللہ تعالیٰ ہے تمہارا کوئی مددگار نہیں

پس ثابت ہوا کہ کسی بھی باعظمت واہم مقام کی طرف بنیت عبادت سفر کرنا حج کی

جنس میں سے ہے اور مشرکین عرب بھی اُمتوں میں سے ایک امت تھے جو اپنے معبودان

باطل لات۔ عزّیٰ اور مناۃ کی طرف حج کے لئے سفر کیا کرتے تھے۔ اس کے باوجود یہ لوگ

بیت اللہ کا حج کرتے۔ طواف کرتے۔ اور وقوفِ عرفات بھی کرتے تھے۔ یہ لوگ ایک طرف

تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے اور ساتھ ساتھ غیر اللہ کی عبادت بھی کرتے تھے وہ اپنے تلبیہ میں پکار پکار کر

کہتے: لبیک لا شریك لك الا شریکا هو لك تملکه وما ملك

اللہ تعالیٰ ان کی تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ۔

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ — وہ تمہیں خود تمہاری اپنی ہی ذات سے ایک

هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ — مثال دیتا ہے کیا تمہارے ان غلاموں میں سے

مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ — جو تمہاری ملکیت میں ہیں کچھ غلام ایسے بھی ہیں

فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ (الروم - ۲۸)

جو ہمارے دیئے ہوئے مال و دولت میں تمہارے ساتھ برابر کے شریک ہوں اور تم ان سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح آپس میں اپنے ہمسروں سے ڈرتے ہو

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب تم اپنی مملوکہ چیز میں دوسرے کی شرکت گوارا نہیں کرتے تو میری مملوکہ مخلوق کو میرا شریک کیوں ٹھہراتے ہو۔؟ —

اللہ تعالیٰ کے سوا ملائکہ ہوں یا انبیاء علیہم السلام، صالحینِ امت ہوں یا کوئی دوسری مخلوق سب اللہ کی ملکیت ہیں۔ اللہ کی صفت تو یہ ہے کہ۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

نہیں کوئی الٰہ مگر وہی ایک، اسی کی بادشاہت اور اسی کی حمد۔ اور وہ ہر چیز پر قادرِ مطلق ہے

انبیاء کرام اور ملائکہ کو اللہ کے شریک ٹھہرانے کو کفر سے تعبیر کرتے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ (آلِ عمران - ۸۰)

وہ تم سے ہرگز یہ نہ کہے گا کہ فرشتوں کو یا پیغمبروں کو اپنا رب بنا لو۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک نبی تمہیں کفر کا حکم دے جب کہ تم مسلم ہو

نصاریٰ کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ (التوبۃ - ۳۱)

انہوں نے اپنے علماء اور پیروں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا ہے اور اسی طرح مسیح ابن مریم علیہ السلام کو حالانکہ ان کو ایک معبود کے سوا کسی کی بندگی کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا وہ جس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں، پاک ہے وہ ان مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

موجودہ دور کے مشرکین کا تعلق ہند سے ہو یا کسی دوسرے ملک سے سب کے سب اپنے معبودانِ باطل کا حج کرنے جاتے ہیں جیسے سومنات وغیرہ جس طرح نصاریٰ، قمامہ، بیت لحم اور القونہ کا حج کرتے ہیں۔

القونہ صیدنایہ میں واقع ہے۔

اصل میں القونہ اُن تصاویر کو کہتے ہیں جو نصاریٰ اپنے گرجوں میں رکھتے ہیں ان تصاویر کی بہت تعظیم و تکریم کرتے ہیں، نیز ان تصاویر کو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان شفاعت کنندہ خیال کرتے ہیں۔

مفسرین و مؤرخین کا کہنا ہے کہ القونہ، ابرہہ کی تصویر ہے، جو یمن کا حکمران تھا۔ یہ وہی ابرہہ تھا جو ہاتھیوں کی فوج لے کر بیت اللہ کو گرانے کی نیت سے مکہ پر حملہ آور ہوا تھا تاکہ عربوں کو اپنے زیرِ نگین کر لے۔

یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ حبشیوں نے یمن کو فتح کر لیا اور عربوں پر غالب آگئے تھے، اس کے بعد سیف بن ذی یزن آیا جس نے شاہِ ایران سے مدد لے کر حبشیوں کو یمن سے نکال باہر کیا۔ یہ وہی شخص ہے جس نے آنحضرت ﷺ کی بعثت کی خوشخبری دی تھی آیاتِ الفیل جن سے حرمتِ کعبہ کا اظہار ہوتا ہے رب کعبہ نے ابابیل پرندوں کو ابرہہ اور اس کے لشکر کو تباہ کرنے کے لئے بھیجا جنہوں نے اُن پر پتھر پھینکے۔

اسی سال آنحضرت ﷺ کی ولادت ہوئی، یہی سال آنحضرت ﷺ کی نبوت آپ ﷺ کی رسالت کی نشانی اور آپ ﷺ کی شریعت مطہرہ کی جیتی جاگتی علامت ہے۔ اور صرف بیت اللہ ہی ایک ایسا گھر باقی ہے جس کی طرف منہ کر کے اُمتِ محمدیہ نماز پڑھتی ہے اور جس کا ہر سال حج کیا جاتا ہے۔

یہ واقعہ مشہور ہے کہ ابرہہ نے ملک یمن میں ایک خوب صورت کنیسہ تعمیر کیا اُس کا ارادہ یہ تھا کہ عربوں کے ذہن اس کی طرف مائل ہوں اور وہ اس کا حج کریں۔ لیکن ہوا یہ کہ

ایک عرب اس میں داخل ہوا تو اُس نے وہاں پاخانہ کر دیا جس سے ابرہہ غصّے سے لال پیلا ہوگیا اور اپنی فوج لے کر بیت اللہ کو گرانے کے لئے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ لیکن جب وہ منیٰ اور عرفات کے درمیان وادی عرنہ میں خیمہ زن ہوا تو اللہ نے اُس کا پورا لشکر تباہ کر دیا

اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ربِ ذُوالجلال فرماتا ہے کہ:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ○ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ○ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ○ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ○ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ○ (سورۃ الفیل)	تم نے دیکھا نہیں کہ تمہارے ربّ نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا۔ کیا اُس نے اُن کی تدبیر کو اکارت نہیں کر دیا۔ اور اُن پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے جو اُن کے اوپر پکی ہوئی مٹی کے پتھر پھینک رہے تھے۔ پھر اُن کا یہ حال کر دیا جیسے (جانوروں) کا کھایا ہوا بھوسا۔

مفسّرین و مورخین کے ہاں یہ بات مسلّم ہے کہ ابرہہ نے یمن میں جو کنیسہ تعمیر کیا تھا اس سے اس کا مقصد عربوں کو اس کے حج کی طرف مائل کرنا تھا۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ وہ اس کنیسہ میں وہی کام ہوتے دیکھنا چاہتا تھا جو نصاریٰ اپنے کنائس میں کرتے ہیں۔ اس سے یہ بات کُھل کر سامنے آجاتی ہے کہ نصاریٰ کے ہاں کنائس کی طرف سفر کرنا بالکل اسی طرح ہے جس طرح مُسلمان حج کی نیت سے مکہ مکرمہ کا سفر کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ابرہہ اپنے تعمیر کردہ کلیسا کو بیت اللہ کے مشابہ قرار دیتا تھا اور اس کی طرف سفر کرنے کو حج قرار دیتا تھا۔ وہ جو شخص زمین کے کسی حصّہ کو عبادت کے لئے منتخب کر کے اُس کی طرف سفر کرتا ہے وہ اسی طرح ہے جیسے اُس نے بیت اللہ کی طرف سفر کیا۔ کیونکہ اُس نے یہ سفر عبادت کی نیت سے کیا ہے جو حج کے مترادف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مساجد کے علاوہ کہیں عبادت کی نیت سے سفر کی اجازت نہیں دی۔ فرض حج صرف وہی ہے جو بیت اللہ کے ساتھ خاص ہے اِس کے علاوہ صرف دو مسجدیں ایسی ہیں جن کی طرف سفر کیا جا سکتا ہے۔ اِن تین مساجد کے علاوہ کسی اہم اور معظم

جگہ کی طرف سفر کرنا حج کی قبیل سے ہے جو سخت منع ہے۔ ہماری اس بات کی تصدیق ابو سفیان رضی اللہ عنہ والی حدیث سے بھی ہوتی ہے جب کہ وہ امیہ بن ابی الصلت الثقفی سے ملا جس میں نصاریٰ کے علماء میں سے ایک کا تذکرہ بھی ہوا جس نے یہ پیش گوئی کی تھی کہ عرب میں ایک نبی کے ظہور کا وقت آگیا ہے۔ امیہ نے کہا ہم بھی عربوں میں سے ہیں۔ اُس نے کہا۔ وہ ایسے گھر والوں میں پیدا ہوگا جس کا عرب حج کرتے ہیں۔

امیہ نے کہا کہ ہم بنو ثقیف میں سے ہیں اور ہمارے ہاں ایسا گھر ہے جس کا عرب حج کرنے آتے ہیں۔

اُس نے کہا۔ آنے والا نبی تم میں سے نہیں بلکہ وہ تمہارے بھائی قریش میں پیدا ہوگا۔

یاد رہے کہ بنو ثقیف کا دیوتا لات تھا۔ جس کا قرآن کریم میں بایں طور ذکر ہے کہ

أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ ۝ أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنثَىٰ ۝

النجم (۱۹-۲۰-۲)

تم نے کبھی اس لات اور اس عزیٰ اور تیسری ایک دیوی مناۃ کی حقیقت پر کچھ غور بھی کیا ہے؟ کیا بیٹے تمہارے لیے ہیں اور بیٹیاں خدا کے لئے ؟

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ لات ایک جگہ کا نام ہے جہاں بیٹھ کر وہ شخص آنے جانے والے حجاج کو ستو پلایا کرتا تھا۔ جب وہ فوت ہوگیا تو لوگ اس کی قبر پر مجاور بن کر بیٹھ گئے اور آہستہ آہستہ یہ قبر بہت بڑا بُت بن گئی جس کی عبادت کی جانے لگی۔

لات کی طرف سفر کرنے کو مشرکینِ عرب حج کا نام دیتے تھے اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ کسی بھی مشہد کی طرف سفر کرنا گویا اس کا حج کرنا ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے کہ۔

وحجت النبت الذی نخ لمطاد الیہ.

عبد بن حمید اپنی تفسیر میں "أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ" کے متعلق مجاہدؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ

"لات ایک شخص کا نام تھا جو لوگوں کو ستو پلایا کرتا تھا. اس کے مرنے کے بعد اس کی قبر کو عبادت گاہ بنا لیا گیا۔"

عبد بن حمید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ.

"لات ایک شخص تھا جو حاجیوں کو ستو پلایا کرتا تھا."

ابن ابی حاتم نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ.

"یہ شخص ایک پہاڑی پر لوگوں کو ستو پلایا کرتا تھا اور جو شخص بھی پی لیتا وہ موٹا ہو جاتا چنانچہ اس کے مرنے کے بعد لوگوں نے اس کی عبادت شروع کر دی۔"

اعمش نے مجاہدؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ.

"یہ شخص ایک پہاڑی پر جو مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان واقع ہے لوگوں کو ستو پلایا کرتا تھا. جب یہ مرگیا تو لوگ اس کی قبر پہ مجاور بن کر بیٹھ گئے۔"

سلیمان بن حرب ابی الجوزار کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ.

"لات ایک پتھر تھا جس پر ایک شخص لوگوں کو ستو پلایا کرتا تھا. تو اس کے مرنے کے بعد اس شخص کا نام لات مشہور ہو گیا۔"

عبید اللہ بن موسیٰ ابی صالح کا یہ قول نقل کرتے ہیں

"لات جسے عربوں نے اپنا الٰہ بنا لیا تھا وہ لوگوں کو ستو پلایا کرتا تھا. اور عزیٰ ایک کھجور کا درخت تھا جس پر عرب لوگ خوب صورت پردے اور روئی لٹکایا کرتے تھے. ورمناۃ قدید نامی مقام کے قریب ایک پتھر تھا۔"

سلف میں سے ایک جماعت نے اللّات بھی پڑھتا ہے. یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ اسم الجلالۃ "اللہ" سے ماخوذ ہے.

الخطابیؒ کہتے ہیں کہ

"مشرکین عرب اپنے بعض اہم بتوں کو لفظ "اللہ" سے تعبیر کیا کرتے تھے. تو

رب کریم نے اپنے اس ذاتی نام کی حفاظت و صیانت کی خاطر ان کے اس تلفظ کو
کی طرف پھیر دیا۔"

ہم کہتے ہیں کہ مندرجہ بالا دونوں اقوال اور دونوں قرأت میں کوئی اختلاف نہیں
ہے کیونکہ ایک شخص پہاڑی پر بیٹھ کر لوگوں کو ستو پلایا کرتا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد
لوگ اس کی قبر پر بیٹھ گئے اور اس کا یہی نام رکھ دیا گیا۔ اس لفظ کو نرم لہجے میں کہنے سے
ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ یہ الٰہ ہے جیسا کہ وہ عام طور پر اصنام کو الہٰتہ کہا کرتے تھے۔ پس
اس نام میں یہ دونوں صورتیں جمع ہو گئیں۔

لات اہل طائف کا بت تھا جسے الربہ بھی کہتے تھے۔ اور عزّیٰ اہل مکہ کا دیوتا تھا
یہی وجہ تھی کہ جنگ احد میں ابوسفیان نے کہا تھا کہ

لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ — ہمارا معبود عزّیٰ ہے تمہارا کوئی عزّیٰ نہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے کہا کہ اس کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ صحابہؓ نے
عرض کی کہ ہم کیا جواب دیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ یہ جواب دو کہ

اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ۔ الحدیث — ہمارا مددگار اللہ ہے تمہارا کوئی مددگار نہیں

مناۃ اہل مدینہ کا مشکل کشا کہا جاتا تھا

الغرض حجاز کا کوئی شہر اور کوئی بستی ایسی نہ تھی جس کا کوئی الگ اور مستقل طاغوت
نہ ہو اور جس کا عرب حج نہ کرتے ہوں۔ اس کی پوجا پاٹ اور اُسے اپنا شفاعت کنندہ
نہ سمجھتے ہوں۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ عُزّیٰ بنو غطفان کا حاجت روا سمجھا جاتا تھا کیونکہ وہ بھی
اس کی عبادت کرتے تھے۔

عرفات کے قریب وادی بطن نخلہ میں اس کا مجسمہ نصب تھا۔ اور اس کے قریب
ہی غطفان کا قبیلہ آباد تھا۔ اہل مکہ اس کا حج کرنے جاتے تھے۔

صحیح روایات اور تاریخ کی معتبر کتب سے پتہ چلتا ہے کہ اہلِ مکہ اسی عزیٰ کی عبادت اور اہلِ طائف لات کی پوجا کرتے تھے، اور مناۃ قدید نامی جگہ کے قریب واقع تھا۔ اسی جگہ سے مشرکینِ مدینہ اپنا احرام باندھتے تھے اس کی تائید صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

معمر بن مثنیٰ کا یہ کہنا کہ یہ تینوں بت پتھر کے بنے ہوئے تھے اور بیت اللہ کے اندر تھے۔

اہل علم کا اتفاق ہے کہ یہ قول صحیح نہیں ہے۔ البتہ ہبل نامی بت کعبہ کے اندر تھا جس کے متعلق جنگ احد میں ابوسفیان نے کہا تھا کہ

أعلُ هبلُ أعلُ هُبل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے کہا کہ اس کے جواب میں کہو کہ

اَللّٰهُ اَعلٰى وَاَجَلّ

یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ اساف و نائلہ دیوی کے بت ایک صفا اور دوسرا مروہ پہاڑی پر نصب تھا و بیت اللہ کے ارد گرد ۳۶۰ بت لٹکا رکھے تھے۔ لات، عزیٰ اور مناۃ مؤنث مشہور تھے۔

بہرکیف امیہ بن ابی الصلت نے کہا کہ ہمارے ہاں ایک ایسا گھر ہے جس کا عرب حج کرتے ہیں۔ اور ابوسفیان نے اس کی تائید کی تھی جس سے ثابت ہوا کہ جس علاقے کی طرف عبادت کی نیت سے رختِ سفر باندھا جائے ایسے سفر کو اس کا حج ہی کہیں گے اور حج ایک خاص قسم کی عبادت ہے۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ بیت اللہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ کی طرف عبادت کی نیت سے سفر کرنا حج اور غیر اللہ کی عبادت ہوگا۔ جیسا کہ غیر اللہ سے دعا کرنا غیر اللہ کیلئے نماز ادا کرنے کی ذیل میں آتا ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔

قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ○ دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ○ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ○ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ○

(الانعام ۱۶۱-۱۶۳)

اے نبی ﷺ کہو میرے رب نے بالیقین مجھے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے بالکل ٹھیک دین جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ جسے یکسو ہو کر اُس نے اختیار کیا تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔ کہو میری نماز، میرے تمام مراسم عبُودیت، میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ رَبّ العٰلمین کیلئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ اور سب سے پہلے سرِ اطاعت جھکانے والا میں ہوں۔

ان آیات بینات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی نماز اور قربانی صرف اللہ کے لئے ادا کریں۔

پس جس شخص نے بیت اللہ کے علاوہ دُوسری جگہ کی طرف سفر کیا اور وہاں غیر اللہ کو پکارا تو اس نے اپنی نماز اور عبادت کو غیر اللہ کیلئے ادا کیا۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے تین مساجد کے علاوہ کسی بھی دوسری مسجد کی طرف سفر کرنے سے منع فرمایا ہے بشرطیکہ اس کی طرف سفر کرنے کی کوئی خاص وجہ نہ ہو۔ سوائے تین مساجد کے۔ کیونکہ ان تینوں مساجد کو انبیاء علیہم السلام نے تعمیر کیا تھا اور ان کی طرف سفر کرنے کی عام لوگوں کو دعوت بھی دی تھی۔ پس ان تین مساجد کو ایک خاص خصوصیت حاصل ہے۔ جو دوسری مساجد کو حاصل نہیں۔ پس ان تین مساجد کے علاوہ کسی دوسری مسجد کی طرف سفر کرنا باتفاق ائمہ اربعہ مسنون نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

پس ایسی مخلوق جن کی قبروں کو عبادت گاہ، وثن اور میلے کی جگہ بنا لیا گیا ہو کی

طرف سفر کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ - اور طرفہ یہ کہ ان کو اللہ کا شریک اور مشکل کشا سمجھ لیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ ان کی اکثریت حجِ بیت اللہ کو اتنا درجہ نہیں دیتی جتنا کہ ان کی قبروں پر حاضری کو دیا جاتا ہے۔ شرک اور قبروں کی پوجا کو توحید اور اللہ کی عبادت سے افضل ترین قرار دے لیا گیا ہے جیسا کہ آج کل مشرکوں کا حال ہے۔ شرک کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝ إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنَاثًا وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا لَعَنَهُ اللّٰهُ ۘ (النساء - ۱۱۶-۱۱۸)	اللہ کے ہاں بس شرک ہی کی بخشش نہیں ہے اس کے سوا اور سب کچھ معاف ہو سکتا ہے جسے وہ معاف کرنا چاہے۔ جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا وہ تو گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔ وہ اللہ کو چھوڑ کر دیویوں کو معبود بناتے ہیں جس کو اللہ نے لعنت زدہ کیا ہے۔

جہاں بھی کسی قبر کی پوجا ہو رہی ہو وہاں شیطان کا ڈیرا ہوتا ہے۔ جو مشرکین سے بصورت انسانی ہمکلام ہوتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مشہور قول ہے کہ۔

فی کل صنم شیطان یتراءی للسدنة ویکلمهم۔	ہر صنم کے اندر شیطان ہوتا ہے جو غائبانہ مجاوروں سے گفتگو کرتا ہے۔

ابی ابن کعبؓ کا کہنا ہے کہ

"ہر صنم کے پاس ایک جن ضرور ہوتا ہے"

یہ بھی ایک قول نقل کیا گیا ہے کہ اناث سے مراد بے جان چیزیں ہیں۔

حسنؒ کا قول یہ ہے کہ

"ہر وہ چیز جس میں روح نہ ہو اُسے اناث کہتے ہیں جیسے لکڑی پتھر وغیرہ"

الزجاج کا کہنا ہے کہ

بے جان اشیاء کی خبر مؤنث کی طرح لائی جاتی ہے۔ جیسے۔

"الحجر تعجبنی، الدراھم تنفعك

یہ دونوں بے جان چیزوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ لفظ "اللہ" کے سوا ہر لفظ کی جمع صیغہ تانیث سے ہوگی جیسے الملائکۃ وغیرہ۔

اللہ کے سوا جس کی بھی عبادت کی جاتی ہے اُسے الٰہ کہا جائے گا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قُلْ أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً ۖ قُلِ اللَّهُ ۖ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۚ وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ ۚ أَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُونَ أَنَّ مَعَ اللَّهِ آلِهَةً أُخْرَىٰ ۚ قُل لَّا أَشْهَدُ ۚ قُلْ إِنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ وَإِنَّنِي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ○

(الانعام - ۱۹)

ان سے پوچھو کس کی گواہی سب سے بڑھ کر ہے کہو میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے اور یہ قرآن میری طرف بذریعہ وحی بھیجا گیا ہے تاکہ تمہیں اور جس جس کو یہ پہنچے سب کو متنبہ کر دوں کیا واقعی تم لوگ یہ شہادت دے سکتے ہو کہ اللہ کے ساتھ دوسرے خدا بھی ہیں؟ کہو۔ میں تو اس کی شہادت ہرگز نہیں دے سکتا۔ کہو۔ خدا تو وہی ایک ہے اور میں اس شرک سے قطعی بیزار ہوں۔ جس میں تم مبتلا ہو۔

وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلَىٰ قَوْمٍ يَعْكُفُونَ عَلَىٰ أَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوا يَا مُوسَى اجْعَل لَّنَا إِلَٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ ۚ

بنی اسرائیل کو ہم نے سمندر سے گزار دیا پھر وہ چلے اور راستے میں ایک ایسی قوم پر ان کا گزر ہوا جو اپنے چند بتوں کی گرویدہ بنی ہوئی تھی۔ کہنے لگے اے موسیٰ۔ ہمارے لئے بھی

قال إنكم قوم تجهلون ○ إن هؤلاء متبر ما هم فيه وباطل ما كانوا يعملون ○ قال أغير الله أبغيكم إلها وهو فضلكم على العالمين ○

(الاعراف - ۱۳۸ - ۱۴۰)

کوئی ایسا معبود بنا دے جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں — موسیٰ نے کہا تم لوگ بڑی نادانی کی باتیں کرتے ہو۔ یہ لوگ جس طریقہ کی پیروی کر رہے ہیں وہ تو برباد ہونیوالا ہے اور جو عمل وہ کر رہے ہیں وہ سراسر باطل ہے۔ پھر موسیٰ نے کہا: کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور معبود تمہارے لئے تلاش کروں؟ حالانکہ وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں دنیا بھر کی قوموں پر فضیلت بخشی ہے۔

أفرأيتم ما تدعون من دون الله إن أرادني الله بضر هل هن كاشفات ضره أو أرادني برحمة هل هن ممسكات رحمته قل حسبي الله عليه يتوكل المتوكلون ○

(الزمر - ۳۸)

تمہارا کیا خیال ہے اگر اللہ مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو کیا تمہاری یہ دیویاں جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو مجھے اس کے پہنچائے ہوئے نقصان سے بچا لیں گی؟ یا اللہ مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو کیا یہ اس کی رحمت کو روک سکیں گی؟ بس ان سے کہہ دو کہ میرے لئے اللہ ہی کافی ہے۔ بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

ولا يأمركم أن تتخذوا الملائكة والنبيين أربابا أيأمركم بالكفر بعد إذ أنتم مسلمون ○ (آل عمران - ۸۰)

وہ تم سے ہرگز یہ نہ کہے گا کہ فرشتوں کو یا پیغمبروں کو اپنا رب بنا لو۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک نبی تمہیں کفر کا حکم دے جب کہ تم مسلم ہو؟

يا صاحبي السجن أأرباب متفرقون خير أم الله الواحد القهار ○ ما تعبدون من دونه

اے زنداں کے ساتھیو! تم خود ہی سوچو کہ بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے؟

إِلَّآ أَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوهَآ أَنتُمْ وَ آبَآؤُكُم مَّآ أَنزَلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ ○	اس کو چھوڑ کر تم جن کی بندگی کر رہے ہو وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ بس چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے رکھ لیے ہیں اللہ نے ان کے لئے کوئی سند نازل نہیں کی۔
(یوسف - ۳۹ - ۴۰)	

مندرجہ بالا آیات بیّنات میں جن جن اشیا کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی تھی ان سب کو لفظ الٰھۃ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

جو شخص غیر اللہ عبادت کرتا ہے وہ صرف ناموں کی عبادت میں مصروف ہے جس کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ اور جو لوگ ملائکہ اور انبیاء کی عبادت کرتے ہیں جنہیں وہ دیکھ نہیں سکتے حقیقت میں وہ صرف اُن صورتوں اور شبیہوں کی عبادت کرتے ہیں جو پتھر، مٹی اور لکڑی وغیرہ سے بنائی گئی ہیں۔ حقیقت میں یہ لوگ اموات کی عبادت میں غرق ہیں۔

صحیح مسلم میں ابی الہیاج اسدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں مجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

الا ابعثك على ما بعثنى عليه رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بعثنى ان لا ادع تمثالا الا طمسته ولا قبرا مشرفا الا سويته۔	کیا میں تمہیں ایسے کام پر نہ بھیجوں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا — مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دے کر بھیجا تھا کہ جس تصویر کو دیکھوں اسے مٹا دوں۔ اور جس قبر کو بلند دیکھوں اُسے زمین کے برابر کر دوں

اموات کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

۱؎ صحیح مسلم کتاب الجنائز۔ باب الامر بتسویۃ القبر اور ارد وعلی البخاری۔ حدیث ۲۱۲۱

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ○

(النحل ۱۷-۲۱)

پھر کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اور وہ جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے دونوں یکساں ہیں؟ کیا تم ہوش میں نہیں آتے؟ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو گن نہیں سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا ہی درگزر کرنے والا اور رحیم ہے۔ اور وہ تمہارے کھلے سے بھی واقف ہے اور چھپے سے بھی اور وہ دوسری ہستیاں جنہیں اللہ کو چھوڑ کر لوگ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کی بھی خالق نہیں ہیں۔ بلکہ خود مخلوق ہیں مردہ ہیں نہ کہ زندہ اور ان کو کچھ معلوم نہیں ہے کہ انہیں کب اٹھایا جائے گا؟

پس جمیع اموات کو اس بات کا علم نہیں کہ وہ کب اُٹھائے جائیں گے اور قیامت کا بجز اللہ کے سوا کسی کو علم نہیں۔

صحیح[1] میں روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔

مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ۔ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ۔

جو محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ آپ ﷺ فوت ہو چکے ہیں۔ اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا وہ سمجھ لے کہ اللہ زندہ ہے اُسے کبھی موت نہیں آئے گی۔

---

[1] صحیح بخاری۔ باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اور پھر قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی کہ۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ○ (آل عمران ۱۴۴)

محمد ﷺ اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں پھر کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم لوگ اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ یاد رکھو! جو اُلٹا پھرے گا، وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کریگا۔ البتہ جو اللہ کے شکر گزار بندے بن کر رہیں گے انہیں وہ اس کی جزا دے گا

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیت پڑھی تو صحابہ کو یہ محسوس ہوا کہ انہوں نے یہ آیت آج ہی سُنی ہے۔ چنانچہ اس وقت ہر شخص کی زبان پر یہ آیت تھی۔

اچانک حادثہ کے وقت قرآن کی بعض آیات کا مفہوم ذہنوں سے اوجھل ہو ہی جاتا ہے۔ لیکن جب انہیں یاد دلایا جاتا ہے تو وہ سمجھ جاتے ہیں۔ قرآن کریم اس کی یوں وضاحت کرتا ہے کہ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ○ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِى الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ○

(الاعراف ۲۰۱، ۲۰۲)

حقیقت میں جو لوگ متقی ہیں ان کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ کبھی شیطان کے اثر سے کوئی برا خیال اگر نہیں چھو بھی جاتا ہے تو فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں اور پھر انہیں صاف نظر آنے لگتا ہے کہ ان کے لئے صحیح طریق کار کیا ہے رہے ان کے بھائی بند تو وہ انہیں ان کی کج روی میں کھینچے لیے چلے جاتے ہیں اور انہیں بھٹکانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔

اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَلَہُ الْاُنْثٰی ۔ تِلْکَ اِذًا قِسْمَۃٌ ضِیْزٰی

قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیت میں لفظ "قسمتہ" سے ٹیڑھی اور ناانصافی پر مبنی تقسیم مراد ہے۔ کیونکہ مشرک اپنے لئے لڑکے اور اللہ کے لئے لڑکیاں پسند کرتے تھے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا اور وہ کہا بھی کرتے تھے کہ ملائکہ اللہ کی لڑکیاں ہیں۔ مشرکین عرب اللہ کی اولاد ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے۔ جیسے نصاریٰ کا عقیدہ تھا کہ اللہ کی اولاد ہے۔ نصاریٰ کی ہمیشہ یہ خواہش ہوتی کہ ان کے بڑے پادری کے ہاں صرف نرینہ اولاد ہو۔

لاتؔ، عزّیٰ اور مناۃ کے بارے میں ایک جماعت جیسے کلبیؒ وغیرہ نے کہا ہے کہ مشرکین کہا کرتے تھے کہ "اصنام اللہ کی بیٹیاں ہیں"

متاخرین علماء نے بھی اس قول کی تائید کی ہے۔

لیکن حقیقت یہ نہیں۔ کیونکہ وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ یہ اصنام اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ بلکہ وہ تو یہ کہتے تھے کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں کہتا ہے کہ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ لَیُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِکَۃَ تَسْمِیَۃَ الْاُنْثٰی ○ (النجم - ۲۷)

جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے وہ فرشتوں کو (خدا کی) بیٹی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِکَۃَ الَّذِیْنَ ھُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا اَشَھِدُوْا خَلْقَھُمْ (زخرف - ۹)

انہوں نے فرشتوں کو جو خدائے رحمان کے خاص بندے ہیں عورتیں قرار دے لیا۔ کیا ان کے جسم کی ساخت انہوں نے دیکھی ہے؟

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُھُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْھُہٗ مُسْوَدًّا وَّھُوَ کَظِیْمٌ ○ (زخرف - ۱۰)

جس اولاد کو یہ لوگ اس خدائے رحمان کی طرف منسوب کرتے ہیں اس کی ولادت کا مژدہ جب خود ان میں سے کسی کو دیا جاتا ہے تو اس کے منہ پر سیاہی چھا جاتی ہے اور وہ غم سے

بھر جاتا ہے۔

بیٹا باپ کا اور شریک اپنے دوسرے شریک کا مثیل ہوتا ہے۔ مشرکین نے اللہ کے ساتھ مثال مؤنث کی دی اور پھر اسے اللہ کا شریک قرار دے دیا۔ اور وہ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ کیونکہ شریک بھائی کی طرح ہوتا ہے چنانچہ مشرکین نے اللہ کا شریک اور وہ بھی بہن اور بیٹی کو بنایا، حالانکہ وہ اپنے لئے نہ بیٹی پسند کرتے تھے اور نہ بہن جب باپ کی خواہش یہ ہو کہ اس کے ہاں بیٹی نہ ہو تو وہ بہن کو کیسے پسند کرے گا؟ — اسی خباثت کی وجہ سے مشرکین عرب نہ اپنی بیٹی کو ورثہ دیتے اور نہ بہن کو۔ اس سے ان کی جہالت اور ظلم کی انتہا کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اس بحث سے ثابت ہوا کہ یہ لوگ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ سے بھی زیادہ باعظمت سمجھتے تھے۔ ان کی مثال دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ تَاللّٰهِ لَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ○ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ○ (النحل-۵۶، ۵۷)	یہ لوگ جن کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں ان کے حصے ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے مقرر کرتے ہیں۔ خدا کی قسم! ضرور تم سے پوچھا جائے گا کہ یہ جھوٹ تم نے کیسے گھڑ لئے تھے؟ یہ خدا کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں سبحان اللہ! اور ان کے لئے وہ جو یہ خود چاہیں؟
ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ	وہ تمہیں خود تمہاری اپنی ہی ذات سے ایک مثال دیتا ہے کیا تمہارے ان غلاموں سے جو تمہاری ملکیت میں ہیں کچھ غلام ایسے بھی ہیں جو ہمارے دیئے ہوئے مال و دولت میں تمہارے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○

(الروم - ۲۸)

اور تم ان سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح آپس میں اپنے ہمسروں سے ڈرتے ہو۔ اسی طرح ہم آیات کھول کر پیش کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں

مشرکین ہرگز یہ نہیں چاہتے کہ اُن کا غلام ان کا شریک اور ساجھی ہو۔ لیکن اس کے برعکس انہوں نے اللہ کی مخلوق کو اس کا شریک بنایا۔ اور اللہ کے لئے وہ چیز ثابت کی جو وہ خود اپنے لئے پسند نہیں کرتے جیسے شریک وغیرہ۔

مشرکین یہ بھی پسند نہیں کرتے کہ ان کی اولاد ان کی شریک کار ہو۔ لیکن اس کے برعکس اللہ کی مخلوق کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

مشرکین یہ بھی پسند نہیں کرتے کہ ان کی اولاد میں لڑکیاں ہوں بلکہ ان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ان کے ہاں لڑکے اور وہ بھی خوبصورت ہوں۔ لیکن اس کے برعکس انہوں نے اللہ کی اولاد اور وہ بھی لڑکیاں ٹھہرائیں۔

ہماری اس گفتگو میں ایک خاص نکتہ یہ ہے کہ اللہ کریم ہر چیز سے اجل واعظم اور اعلیٰ و اکبر ہے لیکن اس کے باوجود ان مشرکین نے اللہ کے لئے وہ چیز ثابت کرنے کی جسارت کی ہے جو وہ خود اپنے لئے پسند نہیں کرتے۔

رب کریم اِس بات سے پاک اور منزہ ہے کہ فقیر اور بخیل جیسی صفات سے متصف ہو،

○ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اللہ کی صفت صرف سلبی ہے۔

○ بعض نے کہا کہ اللہ کی صفت سلبی ہے نہ اثباتی۔

○ ایک گروہ نے یہ رائے قائم کی کہ مخلوق میں سے چند اشخاص ایسے ہیں جو بعض اشیا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مماثلت رکھتے ہیں جیسے عبادت، دُعا، توکل اور محبت

وغیرہ۔

○ ایک ثقہ نے یہ کہا کہ اللہ جو کچھ کرتا ہے وہ بلا حکمت کرتا ہے۔

○ ایک گروہ نے یہ گمان باطل رکھا کہ اللہ کے بارے میں یہ ممکن ہے کہ وہ کسی چیز کو اس کی اصلی جگہ پر نہ رکھے جس سے بہترین اشخاص کو سزا دے اور شریر لوگوں کی عزت و تکریم کرے۔

○ کچھ لوگوں نے یہ عقیدہ رکھا کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر نہیں کہ وہ اپنی مرضی سے کلام کر سکے۔

○ کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ غیر اللہ سے ایسی محبت کی جا سکتی ہے جیسے اللہ سے۔

○ غیر اللہ کو پکارا بھی جا سکتا ہے اور اس سے سوالات بھی کیے جا سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔

مندرجہ بالا گمراہ لوگوں نے اللہ کی مخلوق کو اس کا شریک بنا دیا۔

توحید باری تعالیٰ سے قرآن کریم بھرا پڑا ہے۔ اللہ کا ہم پایہ کوئی نہیں اور نہ ہی کسی کے ساتھ اس کی مثال دی جا سکتی ہے۔ کیونکہ وہ اپنی ذات، صفات، اور افعال میں یکتا ہے۔ اور نہ ہی کوئی اس کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے، اس سے محبت رکھی جائے، اس پر توکل کیا جائے، اس کی اطاعت، یا اس سے دعا وغیرہ کی جائے۔ رب کریم ارشاد فرماتا ہے کہ:

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ○

(مریم - ۶۵)

وہ رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور ان ساری چیزوں کا جو آسمانوں اور زمین کے درمیان ہیں۔ پس تم اس کی بندگی کرو اور اس کی بندگی پر ثابت قدم رہو کیا ہے کوئی ہستی تمہارے علم میں اس کی ہم پایہ۔؟

تمام مخلوق میں کوئی ایسا نہیں جو اللہ کا ہم نام ہو اور نہ ہی کوئی اس کا مستحق ہے کہ اللہ کے اسماء میں سے اس کا نام رکھا جائے۔ اور نہ ہی کوئی ایسا ہے جس کا نام معنوی لحاظ سے اس کا ہم پایہ ہو۔ جیسے حی، قیوم، علیم، قدیر وغیرہ۔ اور نہ ہی کوئی ایسا ہے جو ذات اور موجود کے لحاظ سے اس کا ہم پایہ ہو۔ نہ کوئی الٰہ کہلانے کا مستحق ہے نہ رب اور نہ خالق۔ ارشاد الٰہی ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ○ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ○

(سورۃ الاخلاص)

کہو وہ اللہ ہے یکتا۔ اللہ سب سے بے نیاز ہے۔ اور سب اس کے محتاج ہیں۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے۔

اس آیت کریمہ سے واضح ہوا کہ نہ اللہ کا کوئی کفو ہے نہ ہم مرتبہ، نہ مثیل اور نہ ہی برابر۔ مزید ارشادات الٰہی کو غور سے پڑھیئے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۗ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ○

(الانعام - ۱)

سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے زمین اور آسمان بنائے روشنی اور تاریکیاں پیدا کیں۔ پھر بھی وہ لوگ جنہوں نے دعوتِ حق کو ماننے سے انکار کر دیا ہے دوسروں کو اپنے رب کا ہمسر ٹھہرا رہے ہیں۔

فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ○ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ○ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ○ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

پھر وہ معبود اور یہ بہکے ہوئے لوگ اور ابلیس کے لشکر سب کے سب اس میں اوپر تلے دھکیل دیئے جائیں گے وہاں یہ سب آپس میں جھگڑیں گے اور یہ بہکے ہوئے لوگ کہیں گے کہ خدا کی قسم ہم تو صریح گمراہی میں مبتلا تھے

(الشعراء - ۹۷-۹۸)

جب کہ تم کو ربُّ العلمین کی برابری کا درجہ دے رہے تھے۔

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ○ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○

(النحل - ۷۳-۷۴)

اور اللہ کو چھوڑ کر ان کو پوجتے ہیں جن کے ہاتھ میں نہ آسمانوں سے انہیں کچھ بھی رزق دینا ہے نہ زمین سے۔ اور نہ یہ کام وہ کر ہی سکتے ہیں۔
پس اللہ کے لئے مثالیں نہ گھڑو۔ اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

قبروں، قبوں اور اہم جگہوں کی طرف سفر کرنے کی جو تفصیل سابقہ صفحات میں گزری ہے وہ مشرکین کے ہاں حج کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ عقیدہ ایسا ہے جو متقدمین اور متاخرین کے ہاں لفظاً و معنیً معروف ہے۔ کیونکہ قبہ کے پاس جانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہاں خشوع و خضوع اور عجز و انکساری سے مخلوقِ خدا سے دعا کی جائے۔ جیسے ایک سچے مسلمان موحد شخص کا عقیدہ ہوتا ہے کہ وہ بیت اللہ میں حاضر ہو کر نہایت خشوع و خضوع سے رب کریم سے دعا و التجا کرے گا۔ قرآن کریم میں ہے۔ کہ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ

(البقرۃ - ۱۶۵)

کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسر اور مدمقابل بناتے ہیں اور ان کے ایسے گرویدہ ہیں جیسی اللہ کے ساتھ گرویدگی ہونی چاہیئے۔ حالانکہ ایمان رکھنے والے لوگ سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں

گمراہ، بدعتی اور رافضی گروہ اپنے ائمہ، شیوخ اور پیروں کی قبروں اور مشاہد کا

سفر کرنے نکلتے ہیں تو ان کا پیش رو دعوتِ عام دیتے ہوئے کہتا ہے کہ آؤ حج اکبر کو چلیں۔ اور پھر اس کا نام "حج اکبر" رکھتے ہیں اور اس سفر میں ایک خاص قسم کا جھنڈا بھی اٹھائے ہوتے ہوتے ہیں جس کا خاص طور پر اعلان بھی کرتے ہیں۔ جیسے مسلمان موحد حج بیت اللہ کا قصد کرتے ہوتے ایک خاص نشان اپنے ہمراہ رکھتے ہیں۔

ان بدعتی گروہوں کی گمراہی یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اعلان ہوتا ہے کہ آؤ حج اکبر کی ادائیگی کے لئے بغداد چلیں۔ یہ لوگ قبروں کی طرف سفر کرنے کو حج اکبر قرار دیتے ہیں۔ لیکن حج بیت اللہ کو حج اصغر کہتے ہیں۔ اس کا ذکر ان کے جاہل پیروں کی کتب میں مذکور ہے۔ حتیٰ کہ اس قسم کے اشعار بھی ان کی کتب میں موجود ہیں کہ

وحق البیت الذی تحج المطایا الیہ

مشرکین نماز پڑھتے ہوتے مخلوق سے دعا کرتے ہیں اور ان کی قبروں کا حج کرتے ہیں ان کے برعکس اللہ نے ہدایت کی طرف رہنمائی کرتے ہوتے فرمایا کہ

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ۬ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝	اے نبی! کہو میرے رب نے بالیقین مجھے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے۔ بالکل ٹھیک دین جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ جسے یکسو ہو کر اس نے اختیار کیا تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔ کہو میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے سر اطاعت جھکانے والا میں ہوں۔

(الانعام ۱۶۱ - ۱۶۳)

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ	اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو۔
(القصص - ۹۹)	

لفظ نسک کی تفسیر کرتے ہوئے مفسرین نے اس کا مفہوم یہ لکھا ہے کہ
"اللہ کے لئے ذبح کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا"
اسی لفظ "نسک" کی تشریح کرتے ہوئے وہ مزید لکھتے ہیں کہ اس لفظ میں تمام قسم کی عبادات شامل ہیں قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے ذبح جانور اور حج بیت اللہ کو لفظ نسک سے تعبیر کیا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے کہ۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۔	ہر اُمت کے لئے ہم نے قربانی کا ایک قاعدہ مقرر کر دیا ہے تاکہ لوگ ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو بخشے ہیں۔
(حج - ۳۴)	

رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ۔

من ذبح بعد الصلوٰة فقد اصاب النسك ومن ذبح قبل الصلوٰة فانما هو شاة لحم عجله لاهله ليس من النسك فی شیٔ [1]	جس شخص نے نمازِ عید کے بعد جانور ذبح کیا۔ اس نے صحیح قربانی کی اور جس نے نماز عید سے پہلے جانور ذبح کر دیا تو وہ صرف ایسا گوشت ہے۔ جسے اس نے اپنے اہلِ خانہ کیلئے تیار کیا ہے۔ قربانی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دعا نقل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا کہ انہوں نے یوں دعا کی۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا	اے ہمارے رب! ہم سے یہ خدمت قبول فرما لے تو سب کی سننے اور سب

---

[1] بخاری و مسلم۔ ابواب الاضاحی

مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○

(البقرة - ١٢٨)

کچھ جاننے والا ہے۔ اے رب! ہم دونوں کو اپنا مطیع فرمان بنا۔ ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا جو تیری مطیع ہو۔ ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا۔ اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما۔ تو بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرماتے ہوئے ان مقامات اور اعمال جن کا تعلق مناسک حج سے تھا کی نشان دہی فرمائی۔ جیسے طوافِ بیت اللہ، سعی بین الصفا والمروۃ، وقوفِ عرفات، رمی الجمار وغیرہ۔

لفظ صلوٰۃ دعا کو متضمن ہے جو حقیقت میں عبادت کا مغز ہے سوال بھی اس کی ذیل میں آتا ہے۔ لہٰذا لفظ صلوٰۃ دعا اور سوال دونوں کو متضمن ہے۔ اسی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ

(المؤمن - ٦٠)

اور تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ جو لوگ میری عبادت سے از راہِ تکبر سرتابی کرتے ہیں عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے خود ہی دعا کی تشریح سوال سے کی اور اپنے محبوب نبی کو حکم دیا کہ وہ یوں کہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

(الانعام - ١٦٢)

میری نماز، میرے تمام مراسمِ عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العٰلمین کے لیے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ پیغمبر کو حکم دیا کہ

- وہ صرف اللہ تعالیٰ سے دعا و التجا کرے۔
- اسی کے لئے نماز ادا کرے
- اسی کی رضا کے لئے مساجد تعمیر کرے۔
- کسی کی قبر پہ مسجد تعمیر نہ کی جائے۔
- کسی بھی صاحب قبر کے لئے مسجد تعمیر نہ کی جائے۔
- اور نہ کسی قبر کی طرف رختِ سفر باندھا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا کہ مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی کے علاوہ کسی مسجد کی طرف سفر کیا جائے اور بیت اللہ کے علاوہ کسی دوسرے گھر کا حج کرنے سے بھی منع فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ کے ارشادات، آپ کی سُنّت، خلفائے راشدین کے طریقے، صحابہ کرام کے عمل، تابعین کے طرزِ زندگی، اور ائمہ اربعہ کی زندگیوں سے مندرجہ بالا احکام کی معرفت کا علم ہوتا ہے۔ لہٰذا کسی شخص میں یہ جرأت نہیں کہ وہ ائمہ اسلام میں سے کسی ایک سے ثابت کر سکے کہ انہوں نے کسی نبی یا صالح شخص کی قبر کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا مستحب کہا ہو جو شخص یہ ثابت کرنا چاہے وہ اِس کی صحیح نقل پیش کرے۔

جب ہماری بات ثابت ہوتی جس کا ہم نے اپنے فتاویٰ میں ذکر کیا ہے تو ثابت ہوا کہ اِس کا مخالف دینِ اسلام، سُنّتِ رسُول، اور خلفائے راشدین کے عمل کا مخالف ہے۔ نیز شریعت اور ان کتب سماوی کا انکار بھی ہوگا جن کی تبلیغ کے لئے تمام انبیاء کرام مبعوث ہوئے۔ وہ یہ کہ اللہ کی واحدانیت کا اقرار، اور اس کی عبادت کی جائے اللہ ایسا یکتا ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اُس نے جن اعمال کو واجب یا مستحب ٹھہرایا

ہے ان میں اس کی اتباع کی جائے اور ان افعال و اعمال کا ہرگز ارتکاب نہ کیا جائے جن کی شریعت حقہ میں اجازت نہیں دی گئی۔

اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ہدیت اور دین حق دے کر مبعوث فرمایا تاکہ دین الٰہی کو دوسرے تمام ادیان پر غالب کردے۔ پس اللہ نے آنحضرت ﷺ کو ایسا دین دیکر بھیجا جو آپ سے پہلے تمام انبیاء کا دین تھا۔ وہ تھا دین اسلام۔ اب جو شخص دینِ اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین اختیار کرے گا وہ مقبول نہ ہوگا خواہ اس شخص کا تعلق پہلی امتوں سے ہو یا آخری اُمت سے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ تمام انبیاء کا دین صرف اسلام ہی تھا جیسا کہ صحیحین کی روایت میں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ۔

ان معشر الانبیاء دیننا واحد الانبیاء اخوة لعلات [1]	ہم انبیاء کی جماعت ہیں۔ ہمارا دین ایک ہی ہے اور ہم آپس میں علاتی بھائی ہیں

قرآنِ کریم میں ربِّ کریم نے اس بات کی خبر دی ہے کہ اس نے نوح علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام اسرائیل علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام کی اتباع کا ذکر کیا اور فرمایا کہ وہ سب مسلمان تھے وہ ایک اللہ کی عبادت پر متفق تھے جس کا کوئی شریک نہیں۔ ان سب کا ہدف اور مشن یہ تھا کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے اور ایسے دین کو نہ اپنایا جائے جسے اللہ نے مقرر نہیں کیا۔

اس بات پر بھی غور فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتدائے اسلام میں حکم دیا کہ۔ بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز ادا کی جائے۔ اس وقت یہی اسلام تھا۔ اور جب اسے منسوخ کرکے بیت اللہ کی طرف منہ کرکے نماز ادا کرنے کا حکم ہوا تو پھر یہی دین اسلام ٹھہرا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب قول تعالیٰ واذکر فی الکتاب مریم، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، فضائل عیسیٰ۔

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۔ (المائدہ - ۴۸)

ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور ایک راہ عمل مقرر کی۔

پس ثابت ہوا کہ توراۃ ایک مستقل شریعت تھی، انجیل ایک مستقل شریعت تھی اسی طرح قرآن کریم بھی ایک مستقل شریعت ہے۔ توراۃ اور انجیل میں تحریف سے پہلے جس شخص نے اس پر عمل کیا گویا اس نے دین اسلام کی پیروی کی۔

اور جو شخص تحریف شدہ دین کی اتباع کرتا ہے یا منسوخ شدہ شریعت کی پیروی کرتا ہے وہ دین اسلام سے خارج ہے جیسے یہود۔ کیونکہ انہوں نے توراۃ کو بدل دیا اور حضرت مسیح علیہ السلام کو جھٹلایا۔ اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب بھی کی۔

اسی طرح نصاریٰ نے انجیل کو بدلا۔ اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا۔ پس یہود و نصاریٰ اس دین اسلام پر قائم نہیں ہے جو انبیاء کا دین تھا۔ بلکہ انبیاء کے مخالف ہیں، کیونکہ وہ حق کو جھٹلاتے اور باطل کی ترویج میں پیش پیش ہیں۔

پس ہر وہ بدعتی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی مخالفت کرتا ہے اور شریعت کی بعض ہدایات کی تکذیب کرتا ہے اور ایسے امور کو جن کی انبیاء نے اجازت نہیں دی کو دین میں داخل کرتا ہے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بیزار ہیں۔ قرآن کریم اس کی یوں وضاحت کرتا ہے کہ۔

فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ۝ (الشعراء - ۲۱۶)

اگر وہ تمہاری نافرمانی کریں تو ان سے کہہ دو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے میں بری الذمہ ہوں۔

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ (الانعام - ۱۵۹)

جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے یقیناً ان سے تمہارا کچھ واسطہ نہیں۔

○ حلال وہ جسے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ حلال قرار دیں ○ حرام وہ جسے اللہ اور اس کا رسولؐ حرام کہیں ○ دین وہ جسے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ مقرر کریں۔

رب کریم مشرکین کی مذمت کرتا ہے کہ انہوں نے حلال کو حرام قرار دیا۔ اور وہ دین اختیار کیا جس کی اس نے اجازت نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ط

کیا یہ لوگ کچھ ایسے شریک خدا رکھتے ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین کی نوعیت رکھنے والا ایک ایسا طریقہ مقرر کر دیا ہے جس کا اللہ نے اذن نہیں دیا؟ (الشوریٰ - ۲۱)

مکی سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے ایسے مسائل بیان کیے ہیں جو تمام انبیاء کے متفق علیہ تھے جیسے۔

اللہ پر ایمان لانا۔

○ ملائکہ پر ایمان لانا

○ کتب سماویہ پر ایمان لانا

○ تمام انبیاء پر ایمان لانا

○ قیامت پر ایمان لانا

آنحضرت ﷺ پر ایمان لانا۔ جن کے بعد کوئی نبی نہیں، جن کی امت کو خیر اُمت کا لقب ملا جن کا کام دعوت الی اللہ ہے۔ رب کریم نے آپ کو افضل ترین کتاب دی۔ بہترین شریعت سے نوازا، آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کے لیے دین مکمل فرمایا، اتمام نعمت کی دولت سے نوازا، اور بلحاظ دین کے اسلام پر رضامندی کا تمغہ عطا فرمایا۔ اور آپ ﷺ نے صراط مستقیم ہی کی دعوت دی۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کی اس صفت کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ۔

وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِلَی اللّٰهِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ ○

(الشوریٰ ۵۲-۵۳)

یقیناً تم سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کر رہے ہو۔ اس خدا کے راستے کی طرف جو زمین اور آسمانوں کی ہر چیز کا مالک ہے خبردار رہو! سارے معاملات اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ہم اسی صراطِ مستقیم پر چلیں اور دیگر نئے نئے راستوں کو ترک کردیں۔ فرمانِ الٰہی ہے کہ

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○

(الانعام - ۱۵۳)

یہی میرا سیدھا راستہ ہے لہٰذا تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ اس کے راستے سے ہٹا کر تمہیں پراگندہ کردیں گے یہ ہے وہ ہدایت جو تمہارے رب نے تمہیں کی ہے شاید کہ تم کج روی سے بچو

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ان راستوں کی نشان دہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمائی کہ۔

خَطَّ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ خَطًّا وَخَطَّ خُطُوْطًا عَنْ یَّمِیْنِهٖ وَشِمَالِهٖ ثُمَّ قَالَ: هٰذَا سَبِیْلُ اللّٰهِ وَهٰذِهٖ سُبُلٌ عَلٰی كُلِّ سَبِیْلٍ مِّنْهَا شَیْطٰنٌ یَّدْعُوْ اِلَیْهِ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لمبا خط کھینچا اور اس کے دائیں بائیں بہت سے خطوط کھینچے۔ پھر فرمایا۔ یہ سیدھا راستہ اللہ کا ہے اور دوسرے تمام راستوں پر شیطان ہے جو اپنی طرف بلاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد قرآنِ کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی کہ۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا یہی میرا سیدھا راستہ ہے لہٰذا تم اسی پر

فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ [1]
(الانعام - ۱۵۳)

چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ اس کے راستے سے ہٹا کر تمہیں پراگندہ کر دیں گے۔

اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ہم نماز میں یہ دعا کیا کریں کہ۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝
(الفاتحہ)

ہمیں سیدھا راستہ دکھا ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا جو معتوب نہیں ہوئے جو بھٹکے ہوتے نہیں ہیں

مغضوب اور ضالین کی تشریح خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی کہ

اَلْيَهُوْدُ مَغْضُوْبٌ عَلَيْهِمْ وَالنَّصَارٰى ضَالُّوْنَ [1]

مغضوب علیہ یہود اور ضال نصاریٰ ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے چند روز پہلے دین اور صراطِ مستقیم کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ۔

ترکتکم علی البیضاء النقیۃ لیلھا کنھارھا - لا یزیغ عنہا بعدی الا ھالک [2]

میں تمہیں صاف ستھرے دین پر چھوڑ رہا ہوں جس کی رات روزِ روشن کی طرح واضح ہے میرے بعد ہلاک ہونے والا ہی اس دین سے اعراض کرے گا۔

ایک دوسرے موقع پر آپ نے فرمایا کہ

مَا تَرَكْتُ مِنْ شَيْءٍ يُقَرِّبُكُمْ

میں نے تمہیں ہر وہ کام بتا دیا ہے جو قرب

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۵ [2] مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۱۲۶ - ترمذی ، کتاب العلم ، سنن ابی داؤد و ابن ماجہ - الرد علی الاخنائی - حدیث ۱۳۰

مِنَ الْجَنَّةِ إِلَّا وَقَدْ حَدَّثْتُكُمْ بِهِ وَلَا مِنْ شَيْءٍ يُبْعِدُكُمْ عَنِ النَّارِ إِلَّا وَقَدْ حَدَّثْتُكُمْ بِهِ [1]

جنت اور جہنم سے دوری کا ذریعہ بن سکتا تھا۔

ایک دن صحابہ رضی اللہ عنہم کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا کہ۔

إِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا۔ فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ مِنْ بَعْدِي تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ۔ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔

میرے بعد تم میں سے جو شخص زندہ رہے گا اسے اختلافات کا سامنا ہوگا۔ پس ایسی صورت میں تم میری سُنّت اور میرے خلفائے راشدین کے طریقے کو مضبوطی سے تھامے رکھنا۔ اور نئے نئے امور سے اجتناب کرنا کیونکہ ہر نیا کام بدعت اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

(قَالَ التِّرْمِذِي حَدِيثٌ صَحِيحٌ)

ائمہ اسلام کا دستور تھا کہ وہ دین کے معاملہ میں کتاب وسنّت کی دلیل کے بغیر نہ کسی عمل کو واجب و مستحب کہتے اور نہ حرام و مباح کا فتویٰ دیتے جس مسئلہ میں تمام مسلمان متفق ہوں وہ حق و ثواب ہے کیونکہ اُمتِ محمدیہ گمراہی پر نہ کبھی متفق ہوئی ہے اور نہ ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یوں پیشین گوئی فرمائی کہ

إِنَّ اللهَ أَجَارَكُمْ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ أَنْ تَجْتَمِعُوا عَلَى ضَلَالَةٍ [2]

اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کی زبان مبارک پر تمہیں پناہ دی ہے۔ کہ تم سب گمراہی پر جمع نہیں ہوگے۔

ائمہ اسلام کا معمول یہ تھا کہ انہیں جس مسئلہ میں اختلاف ہوتا اُسے کتاب و

---

[1] مستدرک جلد ۲ صـ ۴ ، [2] سنن ابی داؤد۔ کتاب الفتن ؛ المستدرک جلد ۱ صـ ۱۱۶

سنت سے حل کر لیتے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَأَطِيعُوا۟ ٱلرَّسُولَ وَأُو۟لِى ٱلْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَٰزَعْتُمْ فِى شَىْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ○ (النساء - ۵۹)	اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ اطاعت کرو اللہ کی۔ اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اُسے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی طرف پھیر دو۔ اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔

اگر ایک شخص کو کسی حدیث یا اس کا مفہوم معلوم ہو تو ممکن ہے کہ دوسرے عالم کی نگاہ سے وہ حدیث مخفی ہو اس اخفا کے باوجود اسے اجتہاد کا اجر ملے گا۔ کیونکہ صحیحین کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ

إِذَا اجْتَهَدَ الْحَاكِمُ فَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ۔ وَإِذَا اجْتَهَدَ فَأَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ۔	حاکم نے اجتہاد کیا اگر اس کی رائے صحیح ہوئی تو اُسے دوہرا اجر ملے گا اور اگر خطا کی تو پھر بھی ایک اجر ضرور ملے گا۔

بطورِ مثال اگر مطلع ابر آلود ہو اور چار آدمی مختلف جہتوں کی طرف منہ کر کے نماز ادا کریں تو ہر شخص ماجور ہو گا۔ البتہ ان میں سے جس شخص نے قبلہ کی طرف منہ کیا اُسے دوہرا اجر ملے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی مثال دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ۔

وَدَاوُۥدَ وَسُلَيْمَٰنَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِى ٱلْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ ٱلْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَٰهِدِينَ ۝ فَفَهَّمْنَٰهَا	یاد کرو وہ موقع جب کہ داوٗد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام دونوں ایک کھیت کے مقدمے میں فیصلہ کر رہے تھے جس میں

سُلَیْمٰنَ وَکُلًّا اٰتَیْنَا حُکْمًا وَّعِلْمًا (الانبیاء - ۷۸ - ۷۹)

رات کے وقت دوسرے لوگوں کی بکریاں پھیل گئی تھیں اور ہم ان کی عدالت خود دیکھ رہے تھے۔ اس وقت ہم نے صحیح فیصلہ سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا حالانکہ حکم اور علم ہم نے دونوں ہی کو عطا کیا تھا

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دونوں پیغمبروں کی تعریف کی لیکن اس کے باوجود ایک نبی کو معاملہ کی صحیح تفہیم سے نوازا۔

بہرکیف دینِ اسلام سارے کا سارا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ماخوذ ہے کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ اس میں ذرہ بھر تبدیلی کرے۔ یہی مسلمانوں کا مکمل اسلام ہے۔ بخلاف نصاریٰ کے کہ انہوں نے اپنے علماء اور پیروں کو یہ اجازت دے رکھی ہے کہ دینِ اسلام میں تحریف کریں۔ ہماری اس بات کی تائید قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت سے ہوتی ہے کہ۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰـهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (التوبہ - ۳۱)

انہوں نے اپنے علماء اور پیروں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا ہے اور اسی طرح مسیح ابنِ مریم کو بھی۔ حالانکہ ان کو ایک معبود کے سوا کسی کی بندگی کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ وہ جس کے سوا کوئی مستحقِ عبادت نہیں پاک ہے وہ ان مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

اس آیت کی تائید و تشریح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

اَنَّهُمْ حَرَّمُوْا لَهُمُ الْحَرَامَ فَاَطَاعُوْهُمْ

ان کے پیروں نے حلال کو حرام اور حرام

وَحَرَّمُوا عَلَيْهِمُ الْحَلَالَ فَاطَاعُوهُمْ کو حلال کہا تو انہوں نے ان کی پیروی کی.
فَكَانَتْ تِلْكَ عِبَادَتَهُمْ اِيَّاهُمْ[1] یہی ان کی عبادت ٹھہری.

ائمہ اسلام کا معمول تھا کہ وہ کتاب و سنت کی تعلیمات کے بغیر کسی چیز کے بارے میں نہ عبادت و اطاعت کا حکم دیتے اور نہ اُسے قربِ الٰہی کا ذریعہ بتلاتے کیونکہ بغیر علم کے فتویٰ دینا قرآنِ کریم کی رُو سے حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○

(الاعراف - ۳۳)

اے نبی ﷺ ان سے کہو کہ میرے رب نے جو چیزیں حرام کی ہیں وہ تو یہ ہیں بے شرمی کے کام. خواہ کھلے ہوں یا چھپے اور گناہ اور حق کے خلاف زیادتی۔ اور یہ کہ اللہ کے ساتھ تم کسی ایسے کو شریک کرو جس کے لئے اس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور یہ کہ اللہ کے نام پر کوئی ایسی بات کہو جس کے متعلق تمہیں علم نہ ہو.

ائمہ دین کا اس پر اتفاق ہے کہ صرف تین مساجد، مسجد الحرام، مسجدِ نبوی اور مسجد اقصیٰ کی طرف رختِ سفر باندھنا جائز ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ۔

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: اَلْمَسْجِدَ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِيْ هٰذَا وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى

(صحیحین)

تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد کی طرف رختِ سفر نہ باندھا جائے۔ یعنی مسجد الحرام میری یہ مسجد اور مسجد اقصیٰ.

---

[1] جامع ترمذی. کتاب التفسیر سورۂ التوبہ۔

قبرستان کی زیارت کے بارے میں اختلاف ہے۔

سلف کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ قبرستان کی زیارت ممنوع ہے کیونکہ ممانعت کی تنسیخ والی احادیث نہ تو مشہور ہیں اور نہ امام بخاری ہی نے ان کو نقل کیا ہے امام بخاری نے جو زیارت قبور کی حدیث نقل کی ہے تو انہوں نے اس عورت کی حدیث کا سہارا لیا ہے جو قبر پر رو رہی تھی۔

ابن بطال شعبیؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ

لَوْلَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم نَهٰى عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ لَزُرْتُ قَبْرَ ابْنِيْ۔

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہ فرمایا ہوتا تو میں اپنے بیٹے کی قبر کی زیارت کے لئے ضرور جاتا۔

نخعی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ

"سلف زیارت قبور کو مکروہ سمجھتے تھے"

ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے زیارتِ قبور کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے پہل منع فرمایا لیکن بعد میں اجازت دے دی تھی۔

لہذا اب کوئی شخص زیارتِ قبور کے لئے جائے اور وہاں کوئی بدعت وغیرہ نہ کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے"

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ زیارت قبور کو انتہائی کمزور اور ضعیف عمل خیال کرتے تھے۔

اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء میں زیارت قبور سے روک دیا تھا۔ اس کی کئی وجوہ تھیں۔ مثلاً

وَحَرَّمُوْا عَلَيْهِمُ الْحَلَالَ فَاَطَاعُوْهُمْ کو حلال کہا تو انہوں نے ان کی پیروی کی۔
فَكَانَتْ تِلْكَ عِبَادَتَهُمْ اِيَّاهُمْ ؎ یہی ان کی عبادت ٹھہری۔

ائمہ اسلام کا معمول تھا کہ وہ کتاب وسنت کی تعلیمات کے بغیر کسی چیز کے بارے میں نہ عبادت واطاعت کا حکم دیتے اور نہ اُسے قربِ الٰہی کا ذریعہ بتلاتے، کیونکہ بغیر علم کے فتویٰ دینا قرآنِ کریم کی رُو سے حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○

(الاعراف - ۳۳)

اے نبی ﷺ ان سے کہو کہ میرے رب نے جو چیزیں حرام کی ہیں وہ تو یہ ہیں بے شرمی کے کام۔ خواہ کھلے ہوں یا چھپے اور گناہ اور حق کے خلاف زیادتی۔ اور یہ کہ اللہ کے ساتھ تم کسی ایسے کو شریک کرو جس کے لئے اس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور یہ کہ اللہ کے نام پر کوئی ایسی بات کہو جس کے متعلق تمہیں علم نہ ہو۔

ائمہ دین کا اس پر اتفاق ہے کہ صرف تین مساجد، مسجد الحرام، مسجدِ نبوی اور مسجد اقصیٰ کی طرف رختِ سفر باندھنا جائز ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ۔

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِيْ هٰذَا وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى

(صحیحین)

تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد کی طرف رختِ سفر نہ باندھا جائے۔ یعنی مسجد الحرام میری یہ مسجد اور مسجد اقصیٰ۔

؎ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۃ التوبہ۔

○ اس سے انسان کا شرک میں مبتلا ہونا۔
○ وہاں جاکر بین وغیرہ کرنا۔
○ بعض لوگوں کا قبرستان جاکر ایک دوسرے پر کثرتِ قبور پر فخر کرنا۔

آیتِ کریمہ

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝

تم لوگوں کو ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دھن نے غفلت میں ڈال رکھا ہے یہاں تک کہ تم لب گور تک پہنچ جاتے ہو

کی تفسیر میں علماء نے لکھا ہے کہ لوگ اپنے خاندان کی قبروں کی کثرت پر فخر کیا کرتے تھے۔

ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

یہ آیت کثرتِ زیارتِ قبور پر وعید ہے۔ یعنی تم نے عبادت کرنے اور علم حاصل کرنے کی بجائے زیارتِ قبور کو ایک مشغلہ بنا رکھا ہے۔ اس زیارت قبور سے ان کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ ہمارے افراد قبیلہ زیادہ تھے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ۔

كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا وَلَا تَقُوْلُوْا هُجْرًا۔

میں نے تم کو زیارتِ قبور سے منع کیا تھا۔ اب زیارت کے لیے چلے جایا کرو۔ اور وہاں کوئی خلافِ شریعت بات نہ کرنا۔

گویا آپ کا منع فرمانا مندرجہ بالا آیت کی تشریح تھا۔ کچھ عرصہ بعد زیارت قبور کی اجازت اس لئے دیدی گئی تھی کہ اس سے نصیحت حاصل ہو۔ اس لئے اجازت نہ دی تھی کہ لوگ فخر و مباہات میں گرفتار ہو جائیں اور قبروں پر قبے بنا ڈالیں یا قبروں کو چونا گچ

کردیں"

ہمارا مقصود یہ ثابت کرنا ہے کہ علماءِ اُمت اس پر متفق ہیں کہ آپؐ نے زیارتِ قبور اور دباء، حنتم، مزفت اور مقیر وغیرہ برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا تھا۔ البتہ اس کے منسوخ ہونے میں اختلاف ہے۔

کچھ علماء کا خیال ہے کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہوا۔ کیونکہ نسخ کی احادیث مشہور نہیں۔ اسی لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے وہ احادیث ذکر نہیں کیں جن میں نسخ عام کا ذکر ہے۔

کچھ علماء کا کہنا ہے کہ یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ پھر اس نسخ میں بھی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ یہ نسخ مباح ہے مستحب نہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے۔ اس کی وجہ بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ نفی کے بعد جب صیغہ امر ہو تو اباحت کا فائدہ دیتا ہے جیسے ایک صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا۔ وَكُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنِ الْاِنْتِبَاذِ فِي الْاَوْعِيَةِ فَانْتَبِذُوْا وَلَا تَشْرَبُوْا مُسْكِرًا[۱]

میں نے زیارتِ قبور سے منع کیا تھا اب زیارت کے لئے چلے جایا کرو۔ اور برتنوں میں نبیذ بنانے سے بھی منع کیا تھا۔ اب رخصت ہے۔ لیکن یاد رکھو کہ نشہ آور چیز نہ پینا

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں کہ

فَزُوْرُوْهَا وَلَا تَقُوْلُوْا هُجْرًا۔

اب زیارت کے لئے چلے جایا کرو۔ اور وہاں کوئی خلافِ شریعت بات نہ کرنا۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کناں ہے کہ زیارت قبور سے روکنا صرف اس بنا پر تھا کہ لوگ وہاں جا کر غیر شرعی اعمال کرتے تھے چنانچہ اس راستہ ہی کو بند کر دیا۔ جیسے

---

[۱] صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب استئذان النبیؐ۔ وفی الاضاحی باب بیان ما کان من النہی۔ الرد علی الاخنائی حدیث ۲۹

شروع میں عام برتنوں میں نبیذ بنانے سے روک دیا گیا تھا کیونکہ خمر کا اثر آہستہ آہستہ ہوتا اور پینے والا بے خبری میں شراب پی جاتا۔

سلفِ اُمت کی اکثریت کا خیال ہے کہ مومنوں کی قبروں کی زیارت مستحب ہے تاکہ ان کے لئے دعا اور ان پر سلام بھیجا جائے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع تشریف لیجاکر ان کے لئے دُعا فرماتے۔ نیز صحیحین کی روایت سے بھی ثابت ہے کہ۔

اِنَّہٗ خَرَجَ اِلٰی شُھَدَاءِ اُحُدٍ فَصَلّٰی عَلَیْھِمْ صَلَاتَہٗ عَلَی الْمَوْتٰی کَالْمُوَدِّعِ لِلْاَحْیَاءِ وَالْاَمْوَاتِ[۱]

آپ شہدائے اُحد کی قبروں کے پاس گئے اور ان کے لئے ایسی دعا کی جیسے عام میت اور زندہ کو رخصت کر رہے ہوں۔

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کو زیارتِ قبور کی یہ دعا سکھلایا کرتے تھے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ۔ یَرْحَمُ اللّٰہُ الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنَّا وَمِنْکُمْ وَالْمُسْتَاْخِرِیْنَ۔ نَسْأَلُ اللّٰہَ لَنَا وَلَکُمُ الْعَافِیَۃَ۔ اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَھُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَھُمْ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَھُمْ[۲]

اے مومنو! تم پر اللہ کی سلامتی ہو۔ ہم بھی انشاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تم اور ہم سب پر رحم فرمائے۔ ہم اپنے اور تمہارے لئے اللہ سے عافیت کی دُعا کرتے ہیں۔ اے اللہ! ان کے اجر سے ہمیں محروم نہ کرنا۔ اور ان کے بعد ہمیں کسی آزمائش میں مبتلا نہ کرنا۔ اے اللہ ان کو اور ہم سب کو معاف فرما!

۱؎ صحیح بخاری، کتاب الجنائز - باب الصلوٰۃ علی الشہید فی موضع غر، وصحیح مسلم، فی فضائل النبیؐ ولرد علی البخاری حدیث ۶۱ - ۲؎ صحیح مسلم، کتاب الجنائز - باب ما یقال عند دخول القبور لردعلی البخاری۔ حدیث ۵۰

مومنین کی قبروں کی زیارت کا یہ مسنون طریقہ تھا۔ اب رہے کافر تو ان کی قبروں کی زیارت کی بھی اجازت ہے تاکہ آخرت کی یاد تازہ ہو۔ البتہ ان کے لیے استغفار کرنا جائز نہیں ہے۔

صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا اپنا واقعہ منقول ہے کہ

أَتَى النَّبِيُّ زَارَ قَبْرَ أُمِّهِ فَبَكَى وَأَبْكَى مَنْ حَوْلَهُ وَقَالَ اسْتَأْذَنْتُ رَبِّي فِي أَنْ أَزُورَ قَبْرَهَا فَأَذِنَ لِي. وَاسْتَأْذَنْتُهُ فِي أَنْ أَسْتَغْفِرَ لَهَا فَلَمْ يُؤْذَنْ لِي فَزُورُوا الْقُبُورَ فَإِنَّهَا تُذَكِّرُكُمُ الْآخِرَةَ[1]

آپ اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لے گئے اور وہاں جاکر رو دیئے اور اپنے ساتھیوں کو بھی رلایا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اللہ سے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی تھی جو مل گئی۔ میں نے ان کے لیے استغفار کی اجازت بھی طلب کی جس کی اجازت نہ ملی۔ لہٰذا قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ آخرت کی یاد تازہ کرتی ہیں۔

جس مسئلے میں علماء کا اختلاف ہو اس میں جس کے پاس دلیل شرعی ہو اس کا قول تسلیم کیا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک کے پاس شرعی ثبوت نہ ہو حقیقت یہ ہے کہ علماء ہی انبیاء کے صحیح وارث ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَدَاوُدَ وَسُلَيْمٰنَ إِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِينَ ۝ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا

یاد کرو وہ موقعہ جبکہ داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام دونوں ایک کھیت کے مقدمے میں فیصلہ کر رہے تھے جس میں رات کے وقت دوسرے لوگوں کی بکریاں پھیل گئی تھیں اور ہم ان کی عدالت خود دیکھ

---

[1] صحیح مسلم کتاب الجنائز باب استئذان النبی ﷺ

(الانبیاء ۷۸، ۷۹) رہے تھے۔ اس وقت ہم نے صحیح فیصلہ سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا تھا حالانکہ حکم اور علم ہم نے دونوں ہی کو عطا کیا تھا۔

مندرجہ بالا تینوں اقوال باعتبارات مختلف صحیح ہیں۔

اگر زیارت قبور کے ساتھ شرک، کذب، بین اور نوحہ وغیرہ کا سلسلہ وابستہ ہو تو ایسی زیارت بالاجماع حرام ہے جیسے مشرکین اور اللہ کے نافرمان بندوں کا عمل۔ کیونکہ اللہ کے ہاں پسندیدہ دین دین اسلام ہے اور وہ یہ کہ اللہ کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جائے۔ اس کے فیصلے کو بسر و چشم قبول کر لیا جائے جس کام کا وہ حکم دے اسے مان لیا جائے۔ اور جس سے وہ محبت رکھے اسی سے محبت کی جائے۔ ہم اس پر عمل کرتے اور اسی کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں اور اسی واحد و یکتا ذات پر ہمارا بھروسہ ہے ہم اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہیں اور ہم اپنی نمازوں میں اسی کا اقرار کرتے ہیں کہ

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (الفاتحہ۔) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد طلب کرتے ہیں۔

ہم یہ اقرار اس لئے بھی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

فَاعْبُدْهُ وَ تَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۔ (ہود۔ ۱۲۳) پس اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو اس کی بندگی کر اور اسی پر بھروسہ کر

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ○ (البقرۃ۔ ۱۵۳) اے لوگو جو ایمان لائے ہو صبر اور نماز سے مدد لو۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ اور نماز قائم کرو دن کے دونوں سروں

وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّـيِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ ذِكْرٰي لِلذّٰكِرِيْنَ ○ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ○

ہود (۱۱۴-۱۱۵)

پر اور کچھ رات گزرنے پر۔ درحقیقت نیکیاں برائیوں کو دُور کر دیتی ہیں۔ یہ ایک یاددہانی ہے ان لوگوں کے لیے جو خدا کو یاد رکھنے والے ہیں اور صبر کر۔ اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا۔

۲:۔ زیارت قبور کی دوسری قسم یہ ہے کہ صرف میت کے غم، اس کی رشتہ داری اور دوستی کی وجہ سے ہو۔ یہ زیارت مباح ہوگی جیسے بغیر بین اور نوحہ کے رونا مباح ہے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لے گئے، وہاں خود بھی روتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی بھی روتے۔ اور پھر فرمایا کہ۔

زُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَاِنَّهَا تُذَكِّرُكُمُ الْاٰخِرَةَ۔

قبروں کی زیارت کیا کرو۔ کیونکہ یہ آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔

اس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی زیارت سے منع فرمایا تھا کیونکہ لوگ اپنے رشتہ داروں کی قبروں پر جا کر غیر شرعی حرکات کا ارتکاب کرتے تھے۔ کچھ عرصے بعد جب احکام اسلامی کی معرفت مسلمانوں کے دلوں میں راسخ ہو گئی تو پھر اس کی اجازت دیدی کیونکہ زیارت قبور میں موت کی یاد مضمر ہے۔ کثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب وہ اپنے کسی رشتہ دار کی قبر دیکھتے ہیں تو آخرت کی تیاری کا جذبہ ان کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے اور بعض اوقات اس موقع پر جزع فزع کا بھی صدور ہو جاتا ہے جس سے دو متعارض امور پیدا ہو جاتے ہیں فی نفسہ زیارت قبور مباح ہے۔ اگر اس سے مقصد اطاعت ہو تو یہ زیارت مستحسن ہوگی اور اگر اس میں کوئی غیر شرعی عمل کارفرما ہو تو پھر یہ معصیت کے دائرہ میں داخل ہوگی۔

۳:۔ تیسری قسم یہ ہے کہ میت کے لئے دعا و استغفار کی نیت ہو۔ ایسی زیارت مستحب

قرار پائے گی۔ اِس کے استحباب پر سُنّت نبوی دلالت کناں ہے کیونکہ ایسی زیارت رسُول اللہ ﷺ نے خود کی ہے اور بطور خاص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی تلقین بھی فرمائی ہے

رہی مسجد قبا کی زیارت! تو جو شخص مدینہ منورہ جائے اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ مسجد قبا میں جاکر دو رکعت نماز ادا کرے، نیز جنت البقیع اور شہدائے اُحد کی قبروں پر بھی جائے۔ جیسے رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا۔ پس زیارت قبور کا مقصد یہ ہے کہ صاحبِ قبر کے لئے دعا کی جائے۔ جیسے نماز جنازہ میں دعا کی جاتی ہے۔ یہ مقصد ہرگز نہ ہونا چاہیئے کہ وہاں جاکر مرے ہوئے لوگوں کو اللہ کے سوا پکارا جائے۔ یہ بھی جائز نہیں کہ قبر کو عبادت گاہ بنالیا جائے۔ یہ نیت کرنا بھی منع ہے کہ قبر پر دعا کی جائے تو وہ جلدی قبول ہوتی ہے یا قبر پر دعا کرنا گھر یا مسجد میں دعا کرنے سے افضل ہے۔ ہاں! ائمہ اسلام کا اِس پر اتفاق ہے کہ قبرستان میں جاکر اہلِ قبور کے لئے دعا کرنے سے نماز جنازہ میں شریک ہونا افضل ہے۔ یہ مشروع بھی ہے اور فرض کفایہ بھی۔

اگر کوئی شخص میت کے قریب جا کر اُسے پکارے یا استغاثہ و فریاد کرے تو یہ فعل شرک ہوگا۔ ائمۂ اسلام کا اِس پر اتفاق ہے۔ نیز میت پر بین اور نوحہ بھی حرام ہے البتہ یہ استغاثہ سے ہلکا جرم ہوگا۔

رسُول اللہ ﷺ کے جنت البقیع اور شہدائے اُحد کی قبور پر تشریف لیجانے سے اگر کوئی شخص اپنے مشرکانہ اعمال کے لیے دلیل اخذ کرنے کی مذموم کوشش کرے تو اس کا یہ استدلال اِس شخص سے بھی زیادہ گمراہ کُن ہوگا جو آپ ﷺ کی نمازِ جنازہ سے دلیل لیکر کہتا ہے کہ میت کو پکارنا، اس پر بین اور نوحہ کرنا اور اس کو اللہ کا شریک بنانا جائز ہے جیسا کہ اکثر جاہل کرتے ہیں اور بطورِ استدلال آپ ﷺ کا عمل پیش کرتے ہیں جو سراسر اللہ کی عبادت، اس کی اطاعت پر مبنی تھا جو عمل کرنے والے کے لیے باعثِ اجر اور میت کے لئے فائدہ مند اور مزید برآں اللہ کی رضا پر مشتمل تھا۔ یہ

لوگ اِس خالص عمل کو سامنے رکھ کر اللہ کے ساتھ شرک کر کے میت کے لئے ایذا رسانی کا سبب بنتے ہیں۔ اور اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں۔ جیسے آج کل مشرکین اور اہلِ بدعت کا شیوہ ہے جو نہ تو اپنے عمل میں اخلاص پیدا کرتے ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے ہی کو تسلیم کرتے ہیں۔

پس ایسی زیارتِ قبور منع ہے جس میں مسنون اعمال تو ترک کر دیئے جائیں لیکن ممنوع کام انجام دیئے جائیں۔ جیسے جزع فزع، بے ہودہ کلام اور بے صبری وغیرہ اسی طرح ایسی زیارتِ قبور بھی ممنوع ہے جو شرک باللہ، غیر اللہ کو پکارنا، اور ترکِ اخلاص پر مشتمل ہو تو یہ دونوں قسم کی زیارتیں ممنوع ہیں۔ البتہ مؤخر الذکر بلحاظ گناہ کے زیادہ سنگین ہے۔ لہٰذا قبر کے پاس جا کر یا قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ

لَا تُصَلُّوْا اِلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تَجْلِسُوْا عَلَيْهَا[1] — نہ قبروں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو اور نہ ان کے اوپر مجاور بن کر ہی بیٹھو۔

پس زیارتِ قبور کی دو صورتیں ٹھہریں۔

پہلی وہ جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ غیر مشروع ہے۔ وہ یہ کہ قبور کو عبادت گاہ، بُت خانہ اور میلے کی جگہ بنا لیا جائے۔ لہٰذا وہاں فرض یا نفل نماز کی ادائیگی کے لیے جانا بھی غلط ہے اور یہ بھی غلط ہے کہ قبر کی عبادت بتوں کی طرح کی جائے۔ انہیں میلے کی جگہ بنا لیا جائے کہ لوگ ایک مقررہ وقت پر وہاں جمع ہوں جیسے عرفات اور منیٰ میں مسلمان جمع ہوتے ہیں۔

۲:- دوسری زیارت شرعیہ ہے جو اکثر علماء کے نزدیک مستحب ہے۔ بعض علماء اسے مباح، اور بعض مطلق ممنوع کہتے ہیں جس کی تفصیل سابقہ صفحات میں گزر

---

[1] صحیح مسلم۔ کتاب الجنائز۔ باب النہی عن الجلوس علی القبور والصلوٰۃ الیہ۔ نمبر الدعلی الاخشائی۔ حدیث ۹۷

چکی ہے۔

شرعی دلائل جس کی تائید وحمایت میں ہیں وہ یہ ہے کہ ہم مطلق کو مقید پر محمول کریں۔ اس صورت میں زیارت کی تین قسمیں ہوں گی۔

۱ ممنوع

۲ مباح

۳ مستحب

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تیسری صورت صحیح ہے اور وہ اس کی تائید میں وہی روایات و آثار پیش کرتے ہیں۔ جن میں مسجد نبوی، مسجد قبا، جنت البقیع اور شہدائے اُحد کی قبور کا تذکرہ ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ اِن دو مساجد اور دو قبرستانوں کے سوا کہیں تشریف نہ لیجاتے تھے۔ آپ نماز جمعہ اپنی مسجد میں پڑھتے اور ہفتہ کے روز مسجد قبا، تشریف لے جاتے تھے۔ جیساکہ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ۔

اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم کَانَ یَاْتِیْ قُبَاءَ کُلَّ سَبْتٍ رَاکِبًا وَّ مَاشِیًا فَیُصَلِّیْ فِیْهِ رَکْعَتَیْنِ [1]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتہ پیادہ یا اور کبھی سواری پر مسجد قبا تشریف لیجا کر دو رکعت نماز ادا فرماتے۔

قبور کو عبادت گاہ بنانے کی نفی میں احادیث کا ذخیرہ بے شمار ہے — جو صحیحین اور ان کے علاوہ کتب حدیث میں محفوظ ہے۔ اِن میں سے چند ایک قارئین کرام کے پیش خدمت ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الصلوۃ، باب من اتی مسجد قباً — صحیح مسلم اواخر الحج، باب فضل مسجد قبا۔

لَعَنَ اللہُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی	اللہ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت کی۔ کہ انہوں
اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِھِمْ مَسَاجِدَ	نے اپنے انبیائے علیہم السلام کی قبور کو عبادت گاہ
	بنالیا تھا۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا کہ

لَوْلَا ذٰلِکَ لَاُبْرِزَ قَبْرُہٗ	اگر عبادت گاہ بن جانے کا خدشہ نہ ہوتا تو
وَلٰکِنْ خَشِیَ اَنْ یُّتَّخَذَ مَسْجِدًا	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مکرم کو ظاہر کر دیا جاتا

(بخاری ، مسلم)

صحیح مسلم میں درج ذیل حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پانچ روز قبل فرمایا تھا کہ۔

ن من کان قبلکم کانو	تم سے پہلی قومیں قبور کو عبادت گاہ بنا
یتخذون لقبور مساجد الا فلا	لیا کرتی تھیں۔
تتخذو لقبور مساجد فانی انھکم	خبردار! تم ایسا ہرگز نہ کرنا میں تمہیں اس
عن ذلک۔	سے منع کرتا ہوں۔

صحیحین میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

لما نزل برسول الله صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب آثارِ وفات
طفق یطرح خمیصة له علی وجهه	ظاہر ہوئے تو آپ شدتِ تکلیف کی وجہ
فإذا اغتم کشفها فقال وهو	سے اپنی چادر کو بار بار اپنے چہرۂ انور پر ڈال
کذلک: لعنة الله علی الیهود	لیتے جب ذرا افاقہ ہوتا تو فرماتے۔ یہود
والنصاری اتخذوا قبور انبیائهم	نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ کیونکہ
	انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبور

مساجد یخذر مثل ما صنعوا[1] کو عبادت گاہ بنالیا تھا آپ ﷺ اُن کے اس عمل بد سے ڈرا رہے تھے۔

صحیحین میں ابوہریرہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

قاتل اللہ الیھود و النصاریٰ اتخذوا قبور انبیائھم مساجد۔ — اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو تباہ کرے کیونکہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا تھا۔

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں کہ

لعن اللہ الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیائھم مساجد۔ — اللہ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت کی ہے کیونکہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا تھا۔

صحیحین میں ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حبشہ کے ایک کنیسہ کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کیا جس میں بہت سی تصاویر تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ۔

ان اولئک اذا کان فیھم الرجل الصالح فمات بنوا علی قبرہ مسجدا وصوروا فیہ تلک التصاویر و اولئک شرار الخلق عند اللہ یوم القیامۃ[2] — یہ وہ لوگ تھے کہ جب ان میں سے کوئی صالح شخص فوت ہو جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنالیتے پھر اسی میں اس کی تصویر لٹکا دیتے۔ قیامت کے روز یہ لوگ اللہ کے ہاں شریر ترین شمار ہوں گے۔

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ابن عباس رضی اللہ عنہما ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابن

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المساجد، باب عقب الصلوٰۃ فی البیعۃ۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب نہی عن بناء المسجد علی القبور ... الرد علی الاخنائی، حدیث ۲۶ ، [2] مسند حدیث ۳۸۲۲

مسعودؓ سے اس سلسلے میں بہت سی احادیث مروی ہیں۔ ابن مسعودؓ سے ایک حدیث مروی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ۔

ان من شرار الناس من تدرکھم الساعۃ و ھم احیاء والذین یتخذون القبور مساجد۔	شریر ترین وہ لوگ ہوں گے جو زندہ ہوں گے اور قیامت برپا ہو جائے گی۔ اور وہ بھی جو قبروں کو عبادت گاہ بنا لیتے ہیں۔
(صحیح ابی حاتم۔ مسند احمد)	

سنن ابی داؤد میں ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں جن میں رحمتِ عالمؐ نے فرمایا کہ۔

لا تتخذوا قبری عیدا۔ وصلوا علی حیثما کنتم فان صلوتکم تبلغنی۔	میری قبر کو میلہ نہ بنا لینا۔ تم جہاں بھی ہو مجھ پر درود بھیجو۔ تمہارا درود مجھ تک پہنچا دیا جائے گا۔

مؤطا مالک میں مروی حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد۔ اشتد غضب اللہ علی قوم اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد۔	اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بننے دینا جس کی پوجا شروع ہو جائے۔ اُس قوم پر اللہ کا غضب نازل ہوا جس نے اپنے انبیاءؑ کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا تھا

سنن سعید بن منصور میں یہ واقعہ منقول ہے کہ عبداللہ بن حسن بن حسن بن علیؓ بن ابوطالب جو حسینی خاندان اور خلافتِ منصور کے دور میں تبع تابعین میں انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے وہ خود کہتے ہیں کہ۔

رای رجلا یکثر الاختلاف الی قبر النبیﷺ فقال: یا ھذا! ان	انہوں نے ایک شخص کو بار بار قبرِ کریمؐ کے پاس آتے جاتے دیکھا۔ انہوں نے کہا اے

رسول اللہ ﷺ قال: "لا تتخذوا قبری عیدا وصلوا علی حیثما کنتم فان صلوتکم تبلغنی"۔ فما انت ورجل بالاندلس الاسواء؟

فلاں! رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ "میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنا لینا اور جہاں بھی تم ہو مجھ پر درود بھیجتے رہو۔ تمہارا درود مجھ تک پہنچا دیا جائے گا"۔ لہٰذا تم اور اندلس میں رہنے والا شخص برابر ہو۔

زیارتِ قبرِ مکرم اور آپ ﷺ پر درود و سلام پڑھنے کے لئے ائمہ اسلام نے اتباعِ رسول کا ارادہ کیا تو انہوں نے سنّتِ رسولؐ کی جستجو کی۔ چنانچہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث پر اعتماد کیا جو کتب سنن میں موجود ہے جس میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔

ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علیّ روحی حتی ارد علیہ السلام [1]

اگر کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجے گا تو اللہ تعالیٰ میرے جسم میں روح کو واپس کر دے گا یہاں تک میں اس کے سلام کا جواب دوں گا۔

---

[1] هذا خبر باطل لا یشتغل به فان عبدالرحمن بن زید بن اسلم هالك جدا ضعفه احمد و ابن المدینی و ابن معین و ابوزرعة وابو حاتم والنسائی وغیرهم وقال الساجی منكر الحدیث - وقال الطحاوی حدیثه عند اهل العلم بالحدیث فی النهایة من الضعف۔ وقال الحاكم روی عن ابیه احادیث موضوعة۔ وقال ابن الجوزی اجمعوا علی ضعفه۔ كذا فی التهذیب لابن حجر العسقلانی۔ ص ۱۷۸ ، ۱۷۹ ، جلد ٦

ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے یہی حدیث ذکر کی ہے لیکن انہوں نے قبرِ مکرم کی زیارت کے لیے اِس حدیث کے علاوہ کوئی دوسری حدیث ذکر نہیں کی۔ اور اسی حدیث پر عنوان قائم کیا ہے کہ "بابُ زیارۃ القبر" بایں ہمہ اس حدیث کے مفہوم میں ائمہ حدیث کا اختلاف ہے۔ ائمہ اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ عرفِ عام میں جسے زیارتِ قبور کہا جاتا ہے اِس پر یہ حدیث منطبق نہیں ہوتی۔

وقال شیخ الاسلام ابن تیمیة فی کتاب "التوسل والوسیلة" ص۸۹ عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم ضعیف باتفاقهم یغلط کثیر۔ وضعفه احمد بن حنبل و ابوزرعة و ابوحاتم و النسائی والدارقطنی وغیرهم۔ و قال ابوحاتم و ابن حبان کان یقلب الاخبار و هو لا یعلم حتی کثر ذلک فی روایته من رفع المراسیل و اسناد الموقوف فاستحق الترك۔ فلا شك فی کون الخبر موضوعاً لا سیما و قد رواه عن ابیه علی ما نص علیه الحاکم۔ و قد ذکر الذهبی فی میزان الاعتدال ص۲۶۵ جلد۲ فی ترجمة عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم هذا الحدیث فی منکراته۔

وهذه الروایة ایضاً فی صحتها نظر۔ فقال الحافظ ابن القیم فی جلاء الافهام ص۲۲ طبع منیریة۔ سألت شیخنا یعنی ابن تیمیة عن سماع زید بن عبدالله عن ابی هریرة قال "ما کان ادرکه وهو ضعیف ففی سماعه منه نظر۔" انتهی۔

ثم فی نمتن اشکال من حیث المعنی۔ بل اعتلال لان الرد یستلزم خروج الروح و الذهاب عن الجسد والرد متحقق بسلام مسلم علیه صلی الله علیه وسلم۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ حجرۂ مبارک کے باہر سے سلام پیش کرنا مقصود ہے؟ جن علماء نے اس حدیث کو محلِ موضوع بنایا ہے وہ اس حدیث کو دونوں صورتوں میں شامل کرتے ہیں اور یہ حدیث ان کی آخری دلیل ہے۔ اور یہ کہ آپ ﷺ قریب سے سلام سُن لیتے ہیں اور جو شخص دُور ہو اس کا درود و سلام آپ ﷺ تک بذریعۂ ملائکہ پہنچا دیا جاتا ہے۔

نسائی میں مروی حدیث اس کی تائید کرتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ:

ان لله ملائكة سياحين يبلغونی عن امتی السلام

اللہ کے کچھ فرشتے زمین میں گھومتے پھرتے رہتے ہیں جو میری اُمت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔

کتب سنن میں اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

اكثروا علیّ من الصلوٰة يوم الجمعة وليلة الجمعة. فان

جُمعہ کے دن اور جُمعہ کی رات کو مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔ کیونکہ تمہارا درود میرے

والحال ان المسلمين يسلمون عليه صلى الله عليه وسلم فی جميع ساعات الليل والنهار فمتى تخرج الروح ومتى ترجع وتعود؟ اللهم الا ان يكون ضبط متن هذه الرواية بلفظ: الا رد الله الی روحی (ای بحرف الجر ومجروره قوله روحی) فلا اشكال اصلا. واما القراءة بالالف بالياء المشددة المجرورة بحرف الی فلا يستقيم المعنى ولا يصح نسبة الى النبی المعصوم صلى الله عليه وسلم وشانه اجل من ذلك. وبعض تمسك المخالفين بهذه الرواية. والله اعلم.

صلاتكم معروضة علي.
سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہمارا درود آپ کے سامنے کیسے پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ مٹی ہو چکے ہوں گے؟

قالوا: وكيف تعرض صلاتنا عليك وقد ارمت؟

فقال: ان الله حرم على الارض ان تاكل لحوم الانبياء
آپ ﷺ نے فرمایا۔ کہ اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیا علیہم السلام کے اجسام کو نگل لے۔

مؤطا مالک میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک اثر منقول ہے کہ وہ جب قبرِ مکرم کے پاس آتے تو یوں کہہ کر لوٹ جاتے۔ کہ

السلام عليك يا رسول الله ﷺ!
اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ پر سلام ہو۔

السلام عليك يا ابا بكر!
اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! آپ پر سلام ہو۔

السلام عليك يا ابة!
اے ابا جان! آپ پر سلام ہو۔

ایک روایت میں یہ تصریح موجود ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ جب کسی سفر سے واپس آتے تو قبر مکرم کے پاس جا کر سلام عرض کرتے تھے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اسی اثر پر اعتماد کرتے ہوئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ انسان حجرہ مبارک کے قریب جا سکتا ہے۔ امام مالک کے نزدیک قبر مکرم کے پاس دیر تک کھڑے ہو کر دعا، اور درود و سلام پڑھتے رہنا مکروہ اور بدعت ہے۔ سلفِ امت میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا۔ نیز امت کی اصلاح اسی طرح ممکن ہے جس طرح قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی اصلاح ہوئی تھی۔

انبیاء کرام علیہم السلام اور صالحین اُمت کی قبروں کی طرف رختِ سفر باندھنا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے دور تک اس عمل کا وجود نہ تھا۔ بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین، اور تبع تابعین کے دَور کے بعد اس بدعت کا رواج ہوا۔ کیونکہ ان تین ادوار کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعریفی کلمات موجود ہیں۔ ان تین ادوار کے بعد اس بدعت، جھوٹ اور شرک کو پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا کہ۔

"ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ قبر مکرم کے پاس جائے گا"

اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔؟

امام موصوف نے جواب دیا کہ۔

"اگر اس نے مسجد کا ارادہ کیا تھا تو اسے اپنی نذر پوری کرنی چاہیئے اور مسجد میں جا کر نماز ادا کرے۔ اور اگر اس کا ارادہ فقط قبر مکرم کی زیارت کرنا تھا تو اسے اپنا ارادہ ترک کر دینا چاہیئے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

"لا تعمل المطی الا الی ثلاثۃ مساجد۔" تین مساجد کے سوا کسی مسجد کے لئے سواریوں کو نہ چلایا جائے۔

جو شخص انبیاء علیہم السلام اور صالحین کی قبروں کی زیارت کے لئے جاتا ہے تاکہ انہیں پکارے یا اُن سے دعا کا طالب ہو۔ یا یہ عقیدہ رکھے کہ ان کی قبروں کے پاس دعا جلدی قبول ہوتی ہے۔ تو اس قسم کے عقائد و اعمال امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے دَور میں معروف نہ تھے۔ حتیٰ کہ قبر مکرم کے پاس بھی اس قسم کے اعمال کا وجود نہ تھا۔

قبر مکرم کے پاس دیر تک دعا اور درود و سلام کے لیے کھڑے رہنا جب مکروہ اور بدعت ٹھہرا تو اس شخص کے بارے میں کیا کہا جائے گا جو نہ تو درود و سلام کہنے کا ارادہ رکھتا ہے نہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہے۔ بلکہ اس کے برعکس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا

کا طالب ہے۔ آپ سے مشکلات سے نجات کا خواہاں ہے۔ قبر مکرم کے نزدیک اپنی آواز کو بلند کر کے آپ ﷺ کو تکلیف پہنچاتا ہے۔ اللہ کے ساتھ شرک کر کے اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے۔

ائمہ اربعہ اور ان کے علاوہ تمام ائمہ اسلام نے ان روایات پر اعتماد نہیں کیا جو بعض لوگ بیان کرتے ہیں۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ

من زارنی فی مماتی فکانما زارنی فی حیاتی۔ — جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی

دوسری روایت

من زارنی و زار ابیؑ[1] فی عام وحد ضمنت لہ علی اللہ الجنۃ۔ — جس نے میری اور میرے والد کی ایک ہی سال میں زیارت کی تو میں اس کے جنتی ہونے کی ضمانت دیتا ہوں۔

یہ اور اسی قسم کی دوسری روایات ائمہ اسلام میں سے کسی نے ان کو روایت نہیں کیا۔ نہ ان پر اعتماد کیا، اور نہ ہی یہ روایات صحاح کے مصنفین نے اپنی کتب میں درج کیں، اور نہ ہی اہل سنن نے ان کو نقل کیا۔ صحاح اور سنن ایسی کتب ہیں جن کی روایات پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ یہ روایات ضعیف ہی نہیں بلکہ موضوع ہیں۔ جیسا کہ علماء رجال نے لکھا ہے۔

جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں آپ کی زیارت کی اس کا شمار ان لوگوں میں ہو گا جنہوں نے آپ ﷺ کی طرف ہجرت کی۔ ان نفوس قدسیہ کے مقابلہ میں اگر کوئی شخص اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کر دے تو ایسے شخص کا اجر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایک یا نصف مد جو کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ شخص فرائض کی

---

[1] یعنی ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام

ادائیگی کرے تو بھی صحابہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ نفلی عبادت۔ اس کے برعکس اس شخص کا کیا حال ہوگا جو ایسا عمل کرے جو قرب الٰہی کا ذریعہ بھی نہیں۔ یا ایسا عمل کرے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ کسی شخص کو جائز نہیں کہ وہ یہ کہے کہ "زرت قبر النبیؐ" یہ اور اسی قسم کے دوسرے الفاظ کہنا مکروہ ہے۔ کیونکہ سنت نبویؐ میں اس قسم کے الفاظ نہیں ملتے۔ اس کی تعلیل میں بہت سی وجوہ نقل کی گئی ہیں۔

زیارتِ قبور میں عام احادیث کی روشنی میں بعض لوگوں نے یہ لفظ کہنے کی اجازت دی ہے جو صحیح نہیں ہے۔

امام مالکؒ ہر اس عمل کو مستحب سمجھتے ہیں جسے تمام علمائے امت نے مستحب کہا ہے۔ جیسے اس غرض سے مدینہ منورہ کا سفر کرنا کہ وہاں مسجد نبوی میں نماز ادا کی جائے گی۔ اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں ساتھیوں پر سلام کہا جائے گا۔ جیسے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کیا کرتے تھے۔

زیرِ بحث مسئلہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو دوسرے ائمہ سے زیادہ معلومات تھیں۔ کیونکہ انہوں نے تابعین کے عمل کو دیکھا جنہوں نے براہِ راست صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فیض حاصل کیا تھا۔ اسی بنا پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سلفِ اُمت کی اتباع کو مستحب سمجھتے تھے۔ امام موصوف قبرِ کرم کے پاس بدعت کو بہت برا سمجھتے تھے۔ اسی بنا پر قبر کرم کے پاس دیر تک کھڑے ہو کر دعا و سلام کہنا مکروہ سمجھتے تھے۔ کیونکہ یہ عمل صحابہ رضی اللہ عنہم میں نہ تھا۔

مدینہ منورہ میں رہائش پذیر انسان جب مسجد نبوی میں آئے اور پھر قبر کرم کے پاس بھی جائے تو اسے بھی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مکروہ سمجھتے تھے۔ کیونکہ یہ عمل سلف اُمت میں نہیں پایا جاتا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جملہ حقیقت میں سنہری حروف سے

لکھنے کے قابل ہے کہ

لن یصلح اٰخر ھٰذہ الامۃ الا ما اصلح اولہا	اس اُمت کی اصلاح اسی طرح ہو گی جس طرح قرون اولیٰ کے مُسلمانوں کی اصلاح ہوئی تھی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد نبوی میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کی امامت میں نمازیں ادا کرتے رہے اور اپنی نمازوں میں

السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ	اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پر سلام ہو۔ اور اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں نازل ہوں

کہتے رہے۔ جیسا کہ وہ آپ کی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کرتے وقت کہا کرتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز سے فارغ ہو کر ذکر و اذکار میں مصروف رہتے یا اپنے کاروبار کے لئے نکل جاتے تھے۔ نماز کے بعد قبر مکرم کے پاس درود و سلام کے لئے ہرگز نہ آتے۔ کیونکہ انہیں علم تھا کہ وہ درُود و سلام جو نماز کے اندر پڑھا گیا ہے وہ مکمل بھی ہے اور افضل بھی۔ اور یہی مسنون ہے۔ درُود و سلام کے لیے حجرہ مبارک میں داخل ہو کر قبر مکرم کے پاس جانا مشروع نہیں بلکہ آپ نے اس سے بایں الفاظ منع فرمایا۔ کہ

لا تتخذوا قبری عیداً وصلوا علیّ حیث ما کنتم فان صلاتکم تبلغنی۔	میری قبر کو میلہ نہ بنا لینا اور تم جہاں بھی ہو مجھ پر درُود پڑھ لینا۔ کیونکہ تمہارا درُود مجھ تک پہنچا دیا جائے گا۔

اس ارشادِ گرامی میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کی وضاحت فرمائی کہ مجھ پر درُود و سلام دُور سے پہنچایا جاتا ہے۔

بعض احادیث میں مروی ہے کہ جو شخص ایک دفعہ درود و سلام پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ رحمت بھیجتا ہے۔

حجرہ مبارک کو درود و سلام کیلئے مخصوص کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ اسے عید بنا لیا جائے جس سے آپ ﷺ نے سختی سے منع فرمایا ہے۔ قبر کرم یا کسی بھی دوسری قبر کو عبادت گاہ بنانے سے روکا ہی نہیں بلکہ اس پر لعنت فرمائی ہے تاکہ آپ کی اُمت اس لعنت میں گرفتار نہ ہو جائے جس میں پہلی امتیں گرفتار ہو چکی ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا دور بہترین دور تھا یہ نفوسِ قدسیہ سنّتِ خیر الوریٰ سے کماحقہٗ آگاہ اور آپ کی تعلیمات کے متبع تھے۔ جب وہ مسجد نبوی میں تشریف لاتے تو ان میں سے ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو قبر کرم کے نزدیک جاتا۔ نہ حجرہ کے اندر نہ باہر۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے دَور، اور جب تک اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بقیدِ حیات رہیں اور آپ کی وفات کے کافی عرصہ بعد جب تک کہ دوسری دیوار نہیں چنی گئی تھی حجرہ مبارک میں داخلے کے لئے دروازہ تھا۔ بایں ہمہ صحابہ کرام قبر کرم کے پاس جانے کی کوشش نہ کرتے، نہ درود و سلام کے لیے، نہ اپنے لئے دعا کی خاطر، نہ کسی سوال کی خاطر، اور نہ ہی ابلیس کو موقع ملا کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں میں کوئی غلط وسوسہ ڈال سکے کہ کسی نے قبر کرم کے پاس کوئی کلام سُنا ہے جس سے یہ خدشہ پیدا ہو کہ یہ کلام نبی کا تھا۔ یا یہ کہ آپ ﷺ نے سلام کا جواب دیا ہے۔ جیسا کہ عام قبروں کے پاس شیطان کو یہ موقع مل گیا۔ جس سے بہت سے لوگ گمراہ بھی ہو گئے۔ کیونکہ جب وہ کسی قبر کے پاس گئے تو انہوں نے کسی غیبی آواز کو سُنا جس سے وہ یہ سمجھے کہ صاحبِ قبر ان سے ہمکلام ہے۔ انہیں کوئی فتویٰ دے رہا ہے یا کسی چیز سے منع کر رہا ہے۔

اس قسم کا وسوسہ بھی ڈالا کہ وہ قبر سے نکل کر ملاقات کرے گا جس سے یہ لوگ

خیال کریں گے کہ میت نے بذات خود قبر سے نکل کر ان سے گفتگو کی ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے معراج کی رات بہت سے فوت شدگان کو دیکھا اور اُن سے گفتگو بھی کی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دور خیر القرون کہلاتا ہے یہی لوگ خیر امۃ کا صحیح مصداق ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم ہی نے بلا واسطہ رسول اللہ ﷺ سے دین اخذ کیا اور آپ ﷺ کے مقاصد کو سمجھا اور آپ ﷺ کے اعمال و افعال سے اِس کا معائنہ کیا اور آپ کی زبان مُبارک سے امت کی شفا کا نسخہ سُنا۔ یہ مقام دوسرے افراد کو حاصل نہ ہوا۔ اور پھر صحابہ کرامؓ ایک دوسرے سے مستفید ہوتے رہے یہی وہ جوہر نایاب تھا جس کی بنا پر انہوں نے پوری دنیا سے ٹکر لی اور پھر تمام ادیان اور اُن کے ماننے والوں کو چھوڑا ہی نہیں بلکہ ان سے اپنی جان اور مال سے جہاد بھی کیا۔ یہی وجہ تھی کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

لا تسبوا اصحابی فوالذی نفسی بیدہ لو انفق احدکم مثل احد ذھبا ما بلغ مد احدھم و لا نصیفہ۔	میرے صحابہؓ کو گالی نہ دینا۔ مجھے اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دے تو اُن کے ایک یا نصف مُد کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔

یہ ارشاد گرامی آپ ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس وقت فرمایا تھا جب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے اِن کا اختلاف ہو گیا تھا کیونکہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا شمار سابقین الاولین میں ہوتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ سے پہلے جہاد کیا اور اپنے قیمتی سرمایہ کو بھی اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے وقف کر دیا تھا۔ البتہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے مدت معاہدہ میں مسلمان ہو گئے تھے۔

اِن کا شمار سابقون الاوّلون میں نہیں ہوتا۔ اور جو لوگ فتح مکہ والے سال مسلمان ہوئے انہیں مہاجرین نہیں کہا جاتا۔ کیونکہ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔ اِن کا نام آپ ﷺ نے طلقاء رکھا تھا اس لیئے کہ آپ ﷺ نے پورے تسلط اور کنٹرول کے بعد اِن کو آزاد کیا تھا۔

کچھ صحابہ ایسے ہیں جنہوں نے بیعت رضوان میں شمولیت کا شرف حاصل کیا اور کچھ حبشہ کی طرف ہجرت کر کے چلے گئے۔ ان ہی دو قسم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو السابقون الاوّلون کا خطاب ملا۔ وہ خواہ مہاجر ہوں یا نصرۃ

صحیحین میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے مطابق صلح حدیبیہ کے روز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ

انتم خیر اهل الارض خطہ ارض پر تم سب سے بہتر ہو۔

اِس روز ہماری تعداد چودہ سو تھی۔

ان ہی خصوصیات کی وجہ سے ابلیس کو موقع نہ ملا کہ وہ اِن کو گمراہ کر سکے۔ اور اِن میں سے کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھ سکے۔ بتقاضائے بشریّت ان سے ایسے اعمال بھی سرزد ہوئے جن پر نکیر ہو سکتی ہے بایں ہمہ ان میں سے ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جس میں کوئی بدعت پائی جائے۔ خارجی، رافضی، قدریہ، مرجئہ اور جہمیہ وغیرہ یہ سب فرقے بعد کی پیداوار ہیں جن پر شیطان کا داؤ چل گیا۔

ان سابقون الاوّلون میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ملتا جس کے سامنے بشری صورت آکر شیطان نے یہ کہا ہو کہ میں خضر علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام یا مسیح علیہ السلام ہوں۔ اور نہ ہی کسی قبر کے پاس آکر اس قسم کی کلام کی جس سے یہ خیال پیدا ہو کہ یہ صاحب قبر ہے جو مجھ سے ہم کلام ہے۔

ہاں بعد میں آنے والوں پر شیطان کا بھرپور داؤ چلا. خصوصاً نصاریٰ پر جب کہ انہوں نے بزعم خود عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لٹکا دیا- ابلیس نے آکر کہا کہ دیکھو! یہ ہیں کیلوں کے نشان- میں وہی مسیح ہوں. مجھے شیطان نہ سمجھنا کیونکہ شیطان کا جسم نہیں ہے وغیرہ وغیرہ-

سی قسم کی باتوں پر اعتماد کرتے ہوئے نصاریٰ نے بغیر مشاہدہ کہا کہ وہ سولی پر لٹکا دیئے گئے ہیں. ان میں سے ایک شخص نے بھی بچشم خود مسیح علیہ السلام کو سولی پر لٹکے ہوئے نہیں دیکھا- البتہ یہودیوں میں سے چند ایک نے کسی کو سولی پر چڑھایا اور مشہور کر دیا کہ مسیح علیہ السلام ہی مصلوب ہیں. اگرچہ یہود اپنے اس منصوبے میں بری طرح ناکام ہے لیکن ان کے اس ارادہ بد کی وجہ سے ان کو مجرم قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا ۝ وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۝ بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۚ (النساء - ۱۵۶-۱۵۸)

اپنے کفر میں یہ اتنے بڑھے کہ مریم علیہا السلام پر سخت بہتان لگایا اور خود کہا کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے حالانکہ فی الواقع انہوں نے اس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ معاملہ ان کے لئے مشتبہ کر دیا گیا. اور جن لوگوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا ہے وہ بھی دراصل شک میں مبتلا ہیں. ان کے پاس اس معاملہ میں کوئی علم نہیں ہے محض گمان ہی کی پیروی ہے. انہوں نے مسیح علیہ السلام کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھا لیا

عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تفصیلات کا یہ موقع نہیں اس پر کسی دوسری

جگہ مکمل بحث ہوگی۔ ان شاء اللہ۔ [1]

خلاصہ یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر شیطان کا داؤ نہ چل سکا کہ انہیں راہِ راست سے ہٹا سکے۔ البتہ اہل بدعت کو گمراہ کرنے کے لئے اُسے موقع مل گیا۔ جنہوں نے قرآنِ کریم کی ایسی تاویلات کیں جو صحیح نہ تھیں یا وہ سُنت سے بے بہرہ تھے۔ یا ایسی ایسی باتیں سُنیں اور دیکھیں جو مافوق العقل تھیں تو انہوں نے ان کو انبیاء و صالحین کی کرامات خیال کیا جن کی شیطانی شعبدہ بازی سے زیادہ وقعت نہ تھی۔ جیسے نصاریٰ کو گمراہ کیا گیا۔

نصاریٰ اور اہل بدعت محکم آیات کو چھوڑ کر متشابہ آیات کی ٹوہ میں لگ گئے۔ متشابہات عقلی اور حسی دلائل کو سامنے رکھ کر ان پر عمل کرتے ہوئے ایسے ایسے امور سنتے اور دیکھتے جنہیں رحمانی خیال کرتے۔ حالانکہ وہ شیطانی دھوکہ ہوتے جن کی کوئی اصل نہ تھی اور ایسے بیّن اور واضح حق کو چھوڑ دیتے جس میں کسی قسم کا الجھاؤ نہ تھا۔

ابلیس انسانی شکل میں غیر اللہ سے استغاثہ کرانے میں بھی کامیاب نہ ہو سکا اور نہ ہی اپنی آواز کو صحابی کی آواز سے مشابہ کر سکا کہ یہ لوگ دھوکہ کھا جائیں۔ کیونکہ ان لوگوں کو علم تھا کہ یہ شرک ہے۔

شیطان یہ دھوکہ دینے میں بھی کامیاب نہ ہو سکا کہ وہ کسی صحابی کے دل میں یہ وسوسہ ڈال سکے کہ وہ کسی دوسرے صحابی سے کہے کہ اگر تمہیں کسی قسم کی حاجت ہو تو میری قبر پر آکر مجھ سے فریاد کرنا۔ جیسا کہ بعد میں آنے والوں کو اس قسم کے وسوسے ڈالنے میں کامیاب ہو گیا

یہ وسوسہ بھی نہ ڈال سکا کہ وہ کسی سے یہ کہے کہ میں رجالِ غیب میں سے ہوں یا میں اُن چار، سات اور چالیس اوتاد میں سے ایک ہوں، یا تم ان میں سے ہو۔ کیونکہ صحابہؓ کو علم تھا کہ یہ سراسر دجل و فریب اور جھوٹ ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

---

[1] اس کے لئے "الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح" کا مطالعہ انتہائی مفید ہوگا۔ (مترجم)

یہ افترا باندھنے میں بھی کامیاب نہ ہو سکا کہ وہ کسی سے یہ کہے کہ میں رسول اللہ ہوں یا کم از کم قبر مکرم کے پاس ہی جا کر کسی سے کلام کر سکے۔ جیسا کہ بعد میں آنے والے لوگوں کے ساتھ ہوا خصوصاً مشرکین اور اہل کتاب گمراہ ہوئے اور اب بھی ہو رہے ہیں۔ بعض وقت یہ لوگ دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص اسی بزرگ کی صورت میں نمودار ہوا ہے جو مدفون ہے جس کی عظمت و توقیر ہو رہی ہے۔

کبھی کبھی نصاریٰ کو بھی یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ ان کا وہی نبی یا حواری ہے جس کی وہ تعظیم و توقیر کرتے ہیں۔

بعض اوقات اہل قبلہ میں سے گمراہ اور بدعتی لوگ اچانک دیکھتے ہیں کہ ان کے سامنے نبی یا کوئی ولی کھڑا گفتگو کر رہا ہے۔ اور یہ سوالات پوچھ رہے ہیں یا احادیث کے بارے میں گفتگو ہے اور وہ ان کو جواب دے رہا ہے۔

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کو یہ وہم ہوتا ہے کہ حجرہ مبارک اچانک پھٹ گیا اور اس میں سے رسول اللہ اور آپ کے دونوں ساتھی نکلے اور ان سے معانقہ کیا۔

بعض کو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس نے دور دراز سے بلند آواز سے سلام کہا اور اس کی آواز رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گئی۔

یہ اور اسی قسم کی دوسری بے شمار خرافات میں عوام کی اکثریت گرفتار ہے۔ اس سلسلے میں مجھے بعض لوگوں نے چشم دید واقعات بھی بیان کئے۔ بعض اوقات اس قسم کی خرافات سچے اور صحیح العقیدہ لوگوں کو بھی پیش آئیں جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں مندرجہ بالا توہمات کثیر لوگوں میں اسی طرح پائے جاتے ہیں۔ ان میں اکثریت

ایسے لوگوں کی ہے جو جھوٹ بولتے ہیں۔ کچھ افراد سچ بھی کہتے ہیں تو انہیں یہ وہم ہوتا ہے کہ اس کے تقویٰ اور دینداری کی وجہ سے یہ کرامت ظاہر ہوئی ہے حالانکہ یہ شیطانی وسوسہ تھا جو اس کے علم و حکمت کی دولت سے کورا ہونے کی وجہ سے پیدا ہوا تھا جسے معمولی علم ہو اُسے

شیطان ایسے ایسے اعمال بتاتا ہے جو کھلم کھلا شریعت سے متصادم ہوتے ہیں۔ ورجبہ شریعت کا علم ہو تو ایسے اعمال بتاتا ہے جو بظاہر شریعت کے مخالف تو نہیں ہوتے۔ لیکن ان میں دینی فائدہ بھی کچھ نہیں ہوتا خصوصاً ایسے شخص کو اس کی معلومات کے مطابق گمراہ کرتا ہے۔ انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوا۔ لیکن اس فائدہ سے اس کے دین کا نقصان زیادہ ہوتا ہے۔

لہٰذا شیطان نے کبھی بھی کسی صحابی سے یہ نہیں کہا کہ اس کے پاس خضر علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام میں سے کوئی آیا تھا اور نہ ہی یہ کہا کہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول تھا کہ وہ جب بھی کسی سفر سے واپس مدینہ طیبہ پہنچتے تو قبر مکرم کے پاس آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہتے۔ لیکن انہوں نے کبھی بھی یہ نہیں کہا کہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیا ہے۔ تابعین و تبع تابعین کا بھی یہی حال تھا البتہ بعض متاخرین میں بدعات و خرافات رواج پاگئی تھیں۔

صحابہ کرام اور خصوصاً خلفاء اربعہ کے درمیان بعض مسائل میں اختلاف رائے بھی ہوا لیکن کسی ایک صحابی سے یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے قبر مکرم کے پاس جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا حل دریافت کیا ہو حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دل میں بھی شیطان یہ وسوسہ نہ ڈال سکا کہ وہ قبر مکرم کے پاس جا کر اپنے بارے میں یہ سوال کرے کہ آیا اسے ورثہ ملے گا یا نہیں ــــ؟

صحابہؓ کے دل میں یہ خیال بھی پیدا نہ کر سکا کہ وہ قحط سالی کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش کی دعا کرائیں یا امداد طلب کریں یا استغفار کریں جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں امداد اور بارش کی دعا کرایا کرتے تھے۔ آپ کی وفات سے لیکر قرون ثلاثہ کے اختتام تک اس قسم کے وساوس اور توہمات کا بالکل وجود نہ تھا۔ یہ گمراہی اس وقت ظہور پذیر

ہوئی جب کتاب و سنت اور توحید خالص کا مز لوگوں کے دلوں میں کمزور پڑ گیا۔ شیطان مسلمانوں کو گمراہ کرنے میں اسی طرح کامیاب ہوا جس طرح اس نے نصاریٰ کو گمراہ کیا تھا نصاریٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام اور ان سے پہلے انبیاءؑ کی تعلیمات کو فراموش کر دیا۔

شیطان یہ وسوسہ بھی پیدا نہ کر سکا کہ وہ ان میں سے کسی کو ہوا میں اڑا کر لے گیا ہو۔ اور نہ ہی یہ کہ اس نے طویل مسافت چند لمحوں میں طے کرا دی ہو۔ جیسا کہ متاخرین کے ساتھ کئی دفعہ ایسا ہو چکا ہے۔

صحابہؓ یہ سمجھتے تھے کہ حج، عمرہ اور جہاد کے لئے ہم جو دور دراز کا سفر کرتے ہیں تو ہر قدم پر ثواب ملتا ہے جتنی مسافت زیادہ ہوگی اس قدر اجر و ثواب بھی زیادہ ہوگا جیسے کوئی شخص اپنے گھر سے نماز کے لئے مسجد کی طرف چلتا ہے تو ہر قدم پر ایک درجہ بلند اور دوسرے پر گناہ معاف ہوتا ہے۔ پس شیطان کے لئے یہ ممکن نہ رہا کہ وہ صحابہؓ کو اس اجر سے بایں طور محروم کر سکے کہ انہیں ہوا میں اڑا کر لے جائے یا اتنی تیزی سے لے چلے کہ سینکڑوں میل کی مسافت چند لمحوں میں طے کرا دے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لئے معراج کرائی گئی کہ اللہ تعالیٰ اپنے بڑے بڑے نشانات دکھلائے۔ واقعہ معراج آپ کا خاصہ تھا۔ آپ سے پہلے اور بعد اس قسم کی معراج کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ بعض اوقات شیطان شعبدہ بازی دکھاتا ہے جس سے جاہل انسان کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ انتہائی بلندیوں پہ جا پہنچا ہے۔

رہا بڑی سے بڑی نہر کو بغیر کشتی عبور کر جانا جیسے زمین پر چل رہا ہو۔ تو اس قسم کی مشکلات بعض اوقات مومنین کو بھی پیش آئیں۔ اس لئے کہ اگر وہ اس نہر کو عبور نہ کرتے تو دشمن سے مقابلہ اور جہاد کی فضیلت حاصل نہ ہوتی۔ لہٰذا ایسے اہم موقع پہ رب کریم نے صحابہ اور تابعین کی عزت و تکریم کی خاطر ان مشکلات سے بھی عہدہ برآ ہونے کا شرف بخشا۔ جیسے العلاء ابن الحضرمیؓ، ابو مسلم خولانی اور ان کے ساتھی وغیرہ۔

مطلب یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا دور خیر القرون تھا اور وہ انبیاء علیہم السلام کے بعد اُمت میں افضل ترین افراد تھے۔ ان کے بعد آنے والے بعض افراد سے بھی اس قسم کی کرامات کا ظہور ہوا۔ اس سے یہ گمان کرنا کہ یہ فضیلت صرف متأخرین کو حاصل ہے پہلے لوگ اس سے خالی تھے، سراسر شیطانی دھوکہ ہے جو کرامت کی نقیض ہے فضیلت نہیں۔ خواہ اس کا تعلق عوام سے ہو یا عبادات سے خرق عادت سے تعلق ہو یا ملکی سیاست سے بہترین لوگ وہ تھے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے **متبع** تھے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مشہور قول ہے کہ۔

من کان منکم مستنا فیستن بمن قد مات فان الحی لا یؤمن علیہ الفتنۃ

تمہیں اپنے گزرے ہوئے سلف کا طریق زندگی اختیار کرنا چاہیئے۔ کیونکہ زندہ شخص فتنہ سے بے خوف نہیں ہو سکتا۔

اولئك اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ابر ھذہ الامۃ قلوبا و عمقہا علما و اقلہا تکلف۔ قوم اختارھم اللہ لصحبۃ نبیہ، واقامۃ دینہ، فاعرفوا لھم حقھم، وتمسکوا بھدیھم۔ فانھم کانوا علی الھدی المستقیم

یہ تھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم ان کے دل ساری اُمت سے پاکیزہ۔ ان کا علم بہت ہی گہرا، اور ان میں تکلف نہ تھا یہ ایسے افراد تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت اور اقامت دین کے لئے چن لیا تھا۔ ان کے حقوق کو پہچانو۔ ان کے نقش قدم پر چلو۔ کیونکہ یہ ہدایت اور صراط مستقیم پر تھے۔

خلاصہ کلام یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قبور سے متعلق تمام بدعات کو ترک کر دیا تھا جو عام قبور پر کی جاتی ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منع فرما دیا تھا تاکہ آپؐ کی اُمت اہل کتاب کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کر لے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے انبیا علیہم السلام کی قبروں کو وثن اور بت بنا لیا تھا۔

بعض صحابہ جیسے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب کسی سفر سے واپس مدینہ منورہ پہنچتے تو آپ پر سلام کہتے۔ صحابہؓ کا معمول تو یہ بھی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو سلام عرض کرتے اور پھر مسجد سے نکل جاتے۔ ہر نماز کے وقت ایسا نہ کرتے۔ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ جو شخص سلام کہتا آپ اُس کا جواب دیتے۔ اور اب بھی جو شخص قبر مکرم کے قریب جا کر سلام عرض کرتا ہے آپ اُس کا جواب دیتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ جب اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی طرح سلام عرض کرتے جس طرح زندگی میں کہا کرتے تھے صحابہؓ ان الفاظ میں سلام عرض کیا کرتے تھے

السلام علیک یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو۔ اور اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔

تمام مؤمنین کی قبروں پر جا کر سلام کہنا تو عام ہے۔ البتہ جو شخص ایسے انسان کی قبر کے پاس آتا ہے جسے وہ زندگی میں جانتا تھا اور اس کو سلام کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ مرنے والے کی روح کو اس کے جسم میں لوٹا دیتا ہے جس سے وہ سلام کہنے والے کو جواب دیتا ہے[1]
پس ثابت ہوا کہ جب مؤمن کی قبر پر سلام کہنے سے اس کی روح واپس لوٹ آتی ہے اور وہ جواب دیتا ہے تو امام الانبیاء اور افضل الخلق بالاولیٰ جواب دیتے ہیں۔

جب کوئی مسلمان نماز کے اندر سلام کہتا ہے تو اگرچہ اس کا جواب نہیں دیا جاتا، تاہم اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر دس مرتبہ رحمت بھیجتا ہے۔ جیسے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ۔

من سلم علی مرۃ سلم اللہ علیہ عشرا
جو شخص مجھ پر ایک بار سلام کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتا ہے۔

---

[1] مزید تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ بغداد جلد ۶ صفحہ ۱۳۷

سلام کہنے کا اجر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے وہ میت کے جواب سے ہزار ہا درجہ افضل و اعلیٰ ہے۔ کیونکہ جو شخص رسول اللہ ﷺ پر ایک بار درود و سلام پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ وہ سلام عرض کرنے کے بعد فوراً واپس چلے جاتے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اسی عمل کو سامنے رکھ کر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ قبر مکرم کے پاس زیادہ عرصہ تک کھڑے رہنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ کیونکہ دیر تک کھڑے رہنا کسی صحابی سے ثابت نہیں۔ لہٰذا یہ بدعت کے دائرہ میں سمجھا جائے گا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے درج ذیل اصلاحی قول کو ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہیئے کہ

لن تصلح اٰخر ھٰذہ الامّۃ	اُمّت کے آخری دور کے لوگوں کی اصلاح
الا ما اصلح اولہا	اِسی طرح ممکن ہے جس طرح قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں کی اصلاح ہوئی تھی۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی دیکھا دیکھی چند ایک افراد کے سوا وہ صحابہ کرامؓ کی اکثریت نے عمل نہیں کیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل صرف دلیل جواز بن سکتا ہے۔

زیرِ نظر عمل کو مستحب، مباح یا ممنوع قرار دینے کے لئے دلیل شرعی کا ہونا ضروری ہے پس استحباب، اباحت، کراہت اور تحریم اس وقت تک ثابت نہیں ہوئی جب تک کہ ادلہ شرعیہ سامنے نہ ہوں۔ اور یہ بھی یاد رکھیئے کہ ادلہ شرعیہ کا مرجع صرف کتاب و سنت ہے

قرآن وہ جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ سنت وہ جس پر آپؐ نے عمل کر کے دکھایا

قیاس اس وقت قابل عمل ہوگا جب معلوم ہو جائے کہ فرع اصل کے مطابق ہے اور جو علت اصل میں ہے وہی فرع میں ہے۔

دلائل سے ثابت ہو گیا کہ رحمت دو عالم ﷺ کے ارشادات میں تناقض نہیں ہے۔ آپ نے ایک جیسی دو چیزوں میں بیک وقت دو حکم نہیں فرمائے۔ اور یہ بھی ثابت نہیں

ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی معاملہ میں ایک علت کی بنا پر حکم دیا ہو اور پھر اسی مسئلے میں کسی دوسرے وقت کسی دوسری علت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس سے منع فرما دیا ہو — ہاں! دونوں صورتوں میں سے ایک کی تخصیص وجوب کی متحمل ہو تو دوسری بات ہے۔

پس شریعت وہ جو آپ مقرر فرما دیں، سنت وہ جس پر آپ عمل کر کے سمجھا دیں جب آپ ﷺ کی سنت مطلوب ہو تو آپ ﷺ کے عمل میں کسی شخص کے قول و فعل کو نہیں ملایا جا سکتا۔ اگرچہ وہ شخص تمام لوگوں سے افضل ہی کیوں نہ ہو۔

اسی بنا پر تمام صحابہ اور خصوصاً ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد سے کوئی بات کہتے تو اکثر دفعہ وہ سنت کے مطابق ہوتی۔ لیکن بایں ہمہ وہ لوگوں کو بطورِ خاص آگاہ کرتے کہ۔

"یہ میری ذاتی رائے ہے اگر یہ صحیح ثابت ہو تو اللہ کی طرف سے ہے۔ اور غلط ہو تو سے میری اور شیطان کی طرف سے سمجھنا اور اللہ تعالیٰ کا رسول اس سے بری الذمہ ہیں"

ہر وہ کام جو سنتِ نبوی کے مخالف ہے وہ منسوخ ہو گا یا تحریف شدہ، لیکن مجتہدینِ کرام نے جو مسئلہ اپنی رائے سے لکھا اگر وہ صحیح نہیں تو ان کی یہ خطا معاف ہے البتہ اس پر انہیں اجر ضرور ملے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب اپنے لیے دعا کرنے کا ارادہ کرتے تو مسجدِ نبوی میں قبلہ رُخ ہو کر دعا مانگتے جس طرح وہ رسولِ اکرم ﷺ کی زندگی میں دعا مانگا کرتے تھے حجرۂ مبارک کے قریب یا اندر قبر مکرم کے پاس جانے کی کوشش نہ کرتے۔

رہا آپ کو سلام کرنے کا مسئلہ! تو یہ ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ نماز کے اندر اور مسجد میں داخل ہوتے اور مسجد سے نکلتے وقت آپ ﷺ پر درود و سلام کہے نماز میں سلام کے الفاظ یہ ہیں۔

السلام علیک ایھا النبی اے اللہ کے نبی ﷺ آپ پر

) ورحمة الله وبركاته
السلام علينا وعلى عباد الله
الصالحين

سلام ہو۔ اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں
ہوں۔ ہم اور اللہ کے تمام صالح بندوں پر
اللہ کی رحمتیں نازل ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم یہ کہو گے تو زمین و آسمان میں جتنے اللہ کے صالح بندے ہیں سب پر اللہ کی رحمت ہو گی۔

پس ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر نماز میں بطور خاص رحمت دو عالم ﷺ اور عمومی طور پر صالحین، ملائکہ، انسانوں اور جنوں پر سلام کہے۔

صحیحین میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ جب رسول اکرم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تو کہتے کہ فلاں فلاں شخص پر سلام ہو۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ۔

ان الله هو السلام فاذا قعد
احدكم فى الصلوٰة فليقل ،
التحيات لله والصلوٰت والطيبٰت
السلام عليك ايها النبى ورحمة
الله وبركاته۔

بے شک اللہ ہی سلام ہے۔ اور جب تم
میں سے کوئی شخص نماز میں تشہد میں بیٹھے
تو یہ دعا پڑھے۔ تمام تحیات، ہمہ قسم کی
عبادات اور تمام اچھی باتیں اللہ کے لئے
ہیں۔ اے نبی ﷺ! آپ پر
سلام ہو۔ اور اللہ کی رحمت اور اس کی
برکتیں آپ پر نازل ہوں۔

السلام علينا و
على عباد الله الصالحين۔ اشهد ان
لا اله الا الله و اشهد ان محمداً
عبده ورسوله

ہم پر اور اللہ کے تمام صالحین بندوں پر سلام
ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی
معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد
ﷺ اس کے بندے اور رسول
ہیں۔

صحیح مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کے مطابق ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے تشہد کے الفاظ مندرجہ بالا الفاظ کے علاوہ بھی مروی ہیں۔ نیز ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی لوگوں کو تشہد سکھلایا کرتے تھے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صرف ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی تشہد ہی نقل کیا ہے تشہد کے جتنے الفاظ مروی ہیں سب جائز ہیں۔ کیونکہ قرآن کریم سات قرأت میں نازل ہوا ہے اگر تشہد کے الفاظ مختلف ہو گئے ہیں تو کوئی مضائقہ نہیں یہ تو بالاولیٰ جائز ہوں گے۔

ہماری گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ جب نماز ادا کرنے والا مسلمان کہتا ہے کہ "السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین" تو اس کا اجر ہر صالح انسان تک پہنچتا ہے خواہ وہ آسمانوں میں ہو یا زمین پر۔ جیسے ملائکہ، صالح انسان اور جن ان ہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۙ	اور ہم میں سے کچھ لوگ صالح ہیں اور کچھ اس سے فروتر ہیں، ہم مختلف طریقوں میں بٹے ہوئے تھے۔

(الجن - ۱۱)

۲ ۔ دوسری قسم یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت آپ پر سلام پڑھا جائے۔ جیسا کہ مسند اور سنن میں فاطمۃ الزہراء سے مروی حدیث میں رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو کہے۔

بسم اللہ والسلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	اللہ کا نام لے کر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو
اللھم اغفرلی ذنوبی	اے اللہ! میرے گناہ معاف فرما اور میرے
وافتح لی ابواب رحمتک	لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے

اور جب مسجد سے باہر نکلے تو یہ دعا پڑھے۔

بسم اللہ والسلام علی رسول اللہ	اللہ کا نام لے کر۔ رسول اللہ پر سلام ہو۔

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب فضلک۔ اے اللہ! میرے گناہ معاف فرما۔ اور میرے لئے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔

صحیح مسلم میں مروی ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت مندرجہ بالا دُعا پڑھنی سُنّت نبوی ہے یہی وجہ ہے کہ علماء نے اپنی اپنی مناسک میں لکھا ہے کہ جو شخص مسجد نبوی میں داخل ہو اسے مندرجہ بالا دعا پڑھنا بہت ضروری ہے۔

پس مسجد میں داخل اور مسجد سے نکلتے وقت اور نماز کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کہنا قبر مکرم کے نزدیک سلام کہنے سے زیادہ افضل ہے۔ اس میں مصلحت ہی مصلحت ہے اور نقصان کا خطرہ بالکل نہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ راضی بھی ہوتا ہے اور اس کا اجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مومنین کو بھی پہنچتا ہے۔

جب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر مکرم میں مدفون ہیں اس وقت سے آج تک کسی کے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ قبر مکرم کی زیارت کے لئے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام یا دُعا وغیرہ کے لئے حجرۂ مبارک میں داخل ہو سکے۔ البتہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اس میں رہائش پذیر تھیں کیونکہ وہ آپ کا گھر تھا۔ اور وہ بھی قبر مکرم سے یک جانب کیونکہ آپ کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ساتھیوں کی قبریں دروازہ کے پاس ہی ہیں اور ام مومنین عائشہ رضی حجرہ کے بالکل آخری حصہ میں رہتی تھیں۔ کوئی صحابی اندر داخل نہ ہوتا تھا۔

صحابہ رضی کے دور تک حجرۂ مبارک مسجد سے باہر ہی رہا۔ ولید بن عبدالملک بن مروان کے دورِ حکومت میں جب مسجد نبوی کی توسیع کی گئی تو حجرہ مبارک کو مسجد میں داخل کر دیا گیا۔ یاد رہے کہ اس وقت تک ابن عمر رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور ابن عمرو رضی اللہ عنہ صحابہ فوت ہو چکے تھے۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب اور صحیح ہے کہ مدینہ منورہ میں کوئی یک صحابی بھی بقید حیات نہ تھا۔ سب اپنے ملک حقیقی سے جا ملے تھے تمام صحابہ کے بعد سنہ ۷۸ھ میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے اور مسجد کی توسیع سنہ ۹۱ھ میں عمل میں آئی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ عادت نہ تھی کہ وہ حجرہ مبارک کے اندر، قبر مکرم کے پاس جاتے یا حجرہ کے باہر کھڑے رہتے۔ حالانکہ وہ رات دن مسجد نبوی میں آتے جاتے۔ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی معلوم تھا کہ۔

صلوٰۃ فی مسجدی ھذا خیر من الف صلوٰۃ فیما سواہ من المساجد الا المسجد الحرام۔ — عام مساجد سے میری اس مسجد میں ایک نماز کا ثواب ہزار نماز سے بہتر ہے سوائے مسجد الحرام کے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی ان کے پیش نگاہ رہتا کہ

لا تشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد المسجد الحرام ومسجدی ھذا والمسجد الاقصیٰ۔ — تین مساجد یعنی مسجد الحرام، میری یہ مسجد، اور مسجد اقصیٰ کے علاوہ کسی مسجد کے لئے رخت سفر نہ باندھا جائے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دور دراز کا سفر طے کر کے خلفائے راشدین کے پاس بعض اہم امور میں مشورہ کے لئے مدینہ منورہ تشریف لاتے رہے وہ مسجد میں نماز ادا کرتے اور نماز میں نیز مسجد میں داخل ہوتے اور مسجد سے نکلتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود سلام کہتے قبر مکرم کے پاس جانے کی ضرورت محسوس نہ کرتے۔ ان کو علم تھا کہ رسول اللہ نے نہ تو اس کی اجازت دی ہے اور نہ ہی اسے سنت قرار دیا ہے۔ ہاں! نماز کے اندر، مسجد میں داخل ہوتے اور مسجد سے نکلتے وقت آپ پر سلام کہنا سنت ہے۔ البتہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ذاتی فعل تھا کہ وہ جب بھی سفر سے واپس مدینہ منورہ پہنچتے تو قبر مکرم کے قریب آکر رسول اکرم اور آپ کے دونوں ساتھیوں پر سلام کہتے۔

عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے کبھی کبھار ایسا کرنا ثابت ہے۔ اسی لئے بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے قبر کے پاس جا کر سلام کہنا جائز ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ بات ہمیشہ پیش نگاہ رہے کہ ابن عمر

سلام کہکر فوراً واپس چلے آتے۔ وہاں زیادہ دیر تک نہ رُکتے تھے۔ آپ قبر مکرم کے پاس کھڑے ہو کر یوں سلام کہتے۔ کہ

السّلام علیك یا رسول الله !	اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام ہو۔
السّلام علیك یا ابابکر !	اے ابوبکر! آپ پر سلام ہو۔
السّلام علیك یا ابة !	اے ابا جان! آپ پر سلام ہو۔

ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی طرح جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ معمول نہ تھا۔ بلکہ وہ توحج سے فارغ ہو کر جب مدینہ منورہ پہنچتے تو اس وقت بھی قبر مکرم کے پاس جا کر سلام نہ کہتے۔ اسی طرح ازداج مطہرات بھی حج سے فارغ ہو کر جب مدینہ منورہ واپس پہنچتیں تو سیدھی اپنے اپنے گھروں کو چلی جاتیں جیسا کہ انہیں وصیت رسول تھی۔

اور سُنیئے! یمن کے وہ قافلے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ کہ

فَسَوْفَ يَأْتِي اللهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ (المائدہ - ۵۴)	اللہ اور بہت سے لوگ ایسے پیدا کر دے گا جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ ان کو محبوب ہوگا۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب فوج در فوج جہاد کی خاطر مدینہ منورہ آتے اور مسجد نبوی میں خلفاء کے پیچھے نمازیں ادا کرتے تو ان میں سے کوئی ایک شخص بھی سلام کہنے کی غرض سے حجرہ کے اندر داخل ہوتا اور نہ ہی باہر کھڑا ہونے کی ضرورت محسوس کرتا۔ کیونکہ ان کو سلام کہنے کا طریقہ معلوم تھا جیسا کہ ان کو صحابہ اور تابعین نے سکھلایا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق اللہ کے حقوق کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اللہ کے وہ تمام احکام جن کی بجا آوری کا حکم ہے اور جو اس نے پسند فرمائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام حقوق کی ادائیگی ہر مسلمان پر فرض ہے خواہ وہ دنیا کے کسی بھی خطے میں رہائش پذیر ہو

عام مقامات کے مقابلہ میں قبر مکرم کے پاس درود وسلام کہنا کوئی فضیلت نہیں رکھتا۔ بلکہ انسان جہاں بھی ہو وہیں سے سلام کہہ سکتا ہے۔ عمومی طور پہ بھی اور خاص خاص موقعوں پہ بھی۔ جیسے نماز، دعا، اور اذان کے وقت۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق ہوں یا اللہ تعالیٰ کی عبادات میں سے کوئی عبادت ہو ان کی ادائیگی قبر مکرم کے نزدیک افضل نہیں ہے۔ بلکہ مسجد مدینہ کو بھی اسی لئے فضیلت ہے کہ وہ مسجد نبوی ہے۔ اب جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ قبر مکرم سے پہلے مسجد نبوی کو کوئی خاص فضیلت اور اہمیت نہیں تھی بلکہ یہ فضیلت اس وقت حاصل ہوئی جب ولید بن عبدالملک کی خلافت میں مسجد کی توسیع کے وقت قبر مکرم کو مسجد میں داخل کر دیا گیا۔ تو یہ بات وہی شخص کہہ سکتا ہے جو جہالت میں حد سے تجاوز کر جائے یا وہ شخص کہہ سکتا ہے جو کافر ہو۔ ایسا شخص شریعت اسلامیہ کو جھٹلانے والا ہے جو واجب القتل ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد نبوی میں اسی طرح دعا کرتے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں دعا کیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان کے پاس کوئی نئی شریعت نہیں آگئی تھی بلکہ وہی شریعت تھی جس کی تعلیم خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں دی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ کسی ضرورت کے وقت کسی نبی یا صالح شخص کی قبر کے پاس جا کر نماز پڑھے اور وہاں دعا کرے یا اپنی کوئی حاجت اللہ سے طلب کرے یا صاحب قبر سے کہے کہ وہ سائل کے لئے دعا کرے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور علماء تک کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کا کوئی حکم نہیں دیا اور نہ یہ کہا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مبارک یا قبر مکرم کو نماز اور دعا کے لئے مخصوص کر لیں۔ بلکہ اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی شخص آپ کے گھر کو میلا بنا لے۔ اور نہ ہی وہ بات فرمائی جو بعض جاہل اور احمق صوفیا اپنے مریدوں سے کہتے ہیں کہ

جب تمہیں کوئی حاجت، ضرورت یا کوئی مشکل پیش آجائے تو ہماری قبر پہ جاؤ کرنا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ وضاحت سے منع فرمایا کہ کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی اور شخص کی قبر کو نماز کے لئے عبادت گاہ بنالے۔ یہ ممانعت اس لئے کر دی گئی تاکہ شرک کے تمام ذرائع بند ہو جائیں

فصلی اللہ علیہ وعلیٰ اٰلہ وسلم تسلیما وجزاہ أفضل ماجازی نبیا عن أمتہ۔ قد بلغ الرسالۃ وادی الأمانۃ۔ ونصح الأمۃ۔ وجاھد فی اللہ حق جہادہ۔ وعبد اللہ حتی اتاہ الیقین من ربہ۔

پس اللہ تعالیٰ آپؐ اور آپؐ کی آل پر سلامتی اور رحمت فرمائے اور آپکو امت کی طرف سے تمام انبیاء سے بڑھ کر جزائے خیر سے نوازے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ رسالت ادا کی امانت، اور امت کو نصیحت کا حق ادا کردیا اور آپ آخری دم تک جہاد فی سبیل اللہ اور عبادتِ الٰہی میں مصروف و مشغول رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا اور افضل ترین انعام جو وہ اپنے بندوں پر کیا کرتا ہے یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین عبادات کی رہنمائی فرمائی اور افضل ترین مقامات کی نشان دہی کی۔ جیسے صحیحین میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ۔

ای العمل افضل ؟ — کون سا عمل افضل ہے ؟

قال — آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

الصلوٰۃ علیٰ مواقیتہا : — بر وقت نماز ادا کرنا

قلت ثم ای ؟ — میں نے عرض کی اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے

قال — آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

بر الوالدین — والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا۔

قلت ثم ای؟ — میں نے عرض کی اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے

قال — آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

الجہاد فی سبیل اللہ — اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا

قال — ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں

سألته عنهن ولو استزدته لزادنی — میں نے صرف اتنے ہی سوال کئے۔ اگر زیادہ سوالات کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور جواب دیتے

مسند اور سنن ابن ماجہ میں ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔

استقیموا ولن تحصوا واعلموا ان خیر اعمالکم الصلوٰة ولا یحافظ علی الوضوء الا مؤمن۔[2] — استقامت اختیار کرو۔ اور تم اس کی کماحقہ طاقت نہیں رکھتے۔ اور یاد رکھو کہ بہترین عمل نماز ہے اور وضو کی حفاظت صرف مؤمن ہی کرتا ہے۔

نماز ایک ایسی عبادت ہے جس کے لئے امت کو حکم ہے کہ مسجد بنائیں اور مسجد ایسی جگہ ہے جو تمام مقامات سے اللہ کو زیادہ محبوب ہے۔ صحیح مسلم میں مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

احب البقاع الی اللہ المساجد وابغض البقاع الی اللہ الاسواق۔ — زمین کے تمام ٹکڑوں سے مساجد اللہ کو بہت محبوب ہیں۔ اور زمین کے بدترین ٹکڑے اللہ کے ہاں بازار ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الصلوٰة باب فضل الصلوٰة لوقتها۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، بیان کون الایمان باللہ تعالیٰ افضل الاعمال۔

[2] مسند جلد ۵ صفحہ ۲۸۰، سنن ابن ماجہ کتاب الطہارة۔ باب المحافظة علی الوضو۔

اتنی عظمت و توقیر کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مرض الموت میں اُمت کو نصیحت کرتے ہوئے اور ان کی ہدایت کو مدنظر رکھتے ہوئے ان لوگوں کو ملعون قرار دیا جو انبیاءؑ اور صالحین کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی مشفقانہ صفت کے پیش نظر آپ کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○	تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے۔ تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے ایمان لانے والوں کے لئے وہ شفیق اور رحیم ہے۔

(التوبہ - ۱۲۸)

صحیحین میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مرض الموت میں فرمایا۔

لعن اللہ الیھود والنصاری[1] تخذوا قبور انبیائھم مساجد.	اللہ تعالیٰ کی یہود و نصاریٰ پر لعنت ہو۔ انھوں نے اپنے انبیاءؑ کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں

ولو لا ذلك لابرز قبرہ ولکن خشی ان یتخذ مسجدا	اگر یہ خدشہ نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو کھلی ہی رہنے دیا جاتا۔ لیکن آپ کو یہی خدشہ تھا کہ کہیں آپ کی قبر کو لوگ عبادت گاہ نہ بنالیں۔

---

[1] اصل نسخہ میں خشی کی جگہ کرہ لفظ تھا۔ ہم نے حضرت عائشہ والی روایت جو صحیحین میں ہے کو مدنظر رکھتے ہوئے کرہ کی جگہ خشی لکھ۔ ہوسکتا ہے کہ یہ لفظ سیمان الشیخ کی قلم سے سہواً لکھ گیا ہو۔

اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مرض الموت میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تکلیف ہوتی تو آپ اپنی چادر مبارک اپنے چہرہ انور پر ڈال لیتے اور جب ذرا افاقہ ہوتا تو چہرہ مبارک کھول کر فرماتے کہ۔

لعنۃ اللہ علی الیہود والنصاریٰ	یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو۔ انہوں
اتخذوا قبور انبیائھم مساجد	نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا تھا۔
یحذر ما صنعوا	آپ ان کے اس عمل بد سے ڈرا رہے تھے۔

اللہ کی حکمت دیکھئے کہ ام المومنین جن کے حجرہ میں رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم استراحت فرما ہیں ان کی ان احادیث پر نگاہ ہے۔ یہ وہی احادیث ہیں جن کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے خود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سُنا۔ اگرچہ آپ کے علاوہ بھی بعض صحابہ ان روایات کو نقل کرتے ہیں جیسے ابن عباس، ابوہریرۃ، جندب بن عبداللہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہ۔ چنانچہ صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

قاتل اللہ الیہود اتخذوا قبور	اللہ یہود کو ہلاک کرے۔ انہوں نے اپنے انبیاءؑ
انبیائھم مساجد	کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا تھا۔

صحیحین میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مشہور حدیث بھی مروی ہے جس میں اُم حبیبہ اور اُم سلمہ رضی اللہ عنہما اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے حبشہ میں ایک ایسا کنیسہ دیکھا جس میں بہت سے انبیاء و صلحاء کی تصاویر تھیں۔ آپ نے یہ واقعہ سُن کر فرمایا تھا کہ:

ان اولئك اذا كان فيهم الرجل	وہ ایسے لوگ تھے کہ اگر ان میں سے کوئی صالح
الصالح فمات بنوا على قبره مسجدا	شخص فوت ہو جاتا تو یہ اس کی قبر کو عبادت گاہ بنا
وصوروا فيه تلك الصور اولئك	لیتے اور اس میں ان کی تصویر لٹکا دیتے تھے۔
شرار الخلق عند الله يوم	قیامت کے دن اللہ کے نزدیک یہ بدترین لوگ
القيمة	شمار ہوں گے۔

صحیح مسلم میں جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات سے پانچ روز پہلے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

انی ابرأ الی اللہ ان یکون لی منکم خلیل فان اللہ قد اتخذنی خلیلا کما اتخذ ابراہیم خلیلا ولو کنت متخذا من امتی خلیلا لاتخذت ابا بکر خلیلا۔ الا و ان من کان قبلکم کانوا یتخذون القبور مساجد الا فلا تتخذوا القبور مساجد فانی انہاکم عن ذلک۔

میں اس بات سے بری الذمہ ہوں کہ تم میں سے میرا کوئی خلیل ہو۔ کیونکہ مجھے اللہ نے اپنا خلیل بنا لیا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تھا۔ اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا۔ خبردار! تم سے پہلے لوگ قبروں کو عبادت گاہ بنایا کرتے تھے۔ پس خبردار! تم قبروں کو عبادت گاہ نہ بنا لینا۔ میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں۔

صحیح مسلم میں ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

لا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا الیہا

قبروں پر مجاور بن کر مت بیٹھو اور نہ ہی قبروں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔

مسند اور صحیح ابی حاتم میں روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

ان من شرار الناس من تدرکہم الساعۃ وہم احیاء۔ و الذین یتخذون القبور مساجد۔

بدترین وہ لوگ ہوں گے جن کی زندگی میں قیامت برپا ہوگی اور جو قبروں کو عبادت گاہ بنا لیتے ہیں۔

قبرستان کو عید اور میلہ بنانے کی نفی پر پچھلے صفحات میں مکمل بحث ہو چکی ہے یہی بہ خوبی معلوم ہوتا ہے کہ علم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قبر کو فرائض کی ادائیگی کے لیے عبادت گاہ بنانے سے منع فرمایا تھا۔ فرائض کی ادائیگی ایسا عمل ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ یہ ممانعت اس لیے کر دی تاکہ مسلمانوں کی مشرکین سے مشابہت نہ رہے۔ کیونکہ وہ اہلِ قبور کو پکارتے، ان کے لیے نمازیں پڑھتے اور ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں۔ اس لیے مسلمانوں

کو قبر مکرم کے متعلق ایسے اعمال سے روکنا اشد ضروری تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے طلوع شمس اور غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا تاکہ ان لوگوں سے مشابہت نہ ہو جو سورج اور چاند کی پوجا کرتے ہیں لہذا اُن کی پوجا سے روکنا زیادہ اولیٰ تھا۔

پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز، دعا اور ذکر و اذکار کے لیے مساجد ہی کا رخ کرتے تھے جو صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے تعمیر کی گئی تھیں۔ انبیاء و صالحین کی قبروں کی طرف جنہیں عبادت گاہ بنانے سے روکا گیا تھا جانے کی کوشش بھی نہ کرتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی طرح عمل کرتے رہے جس طرح وہ رحمتِ عالم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں کیا کرتے تھے۔

علاوہ ازیں منصوصاً امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو یہ نقل کرنا کہ اہل مدینہ مسجد نبوی میں داخل اور نکلتے وقت قبر مکرم کے پاس جانے کو مکروہ سمجھتے تھے خواہ ان کا ارادہ فقط درود و سلام ہی کا ہو۔ ان کے اس مسلک کی تائید مندرجہ ذیل دلائل و براہین سے ہوتی ہے۔

صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

كان رسول الله ﷺ يأتي قباء كل سبت راكبا وماشيا فيصلي فيه ركعتين۔	رسول اللہ ﷺ ہر ہفتہ کبھی پیدل اور کبھی سواری پر مسجد قبا تشریف لے جاتے اور وہاں دو رکعت نماز ادا کرتے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ کا معمول بھی یہی تھا۔

مندرجہ بالا صحیح حدیث اس پر شاہد ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں نماز جمعہ ادا فرماتے اور ہفتہ کے دن مسجد قبا تشریف لے جاتے اور دو رکعت نماز ادا فرماتے۔ مسجد قباء اور مسجد نبوی دونوں کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے، جس کی شہادت خود ربِ کریم نے دی کہ:

لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ ۚ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا ۚ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ۝ (التوبہ-۱۰۸)	جو مسجد اوّل روز سے تقویٰ پر قائم کی گئی تھی وہی اس کے لیے زیادہ موزوں ہے کہ تم اس میں عبادت کے لئے کھڑے ہو۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ کو پاکیزگی اختیار کرنے والے ہی پسند ہیں۔

کتبِ حدیث میں یہ روایت کئی طرق سے مروی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل قبہ سے پوچھا کہ تم کون سا عمل کرتے ہو جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعریف کی ہے؟ انہوں نے عرض کی کہ ہم پانی سے بھی استنجے کرتے ہیں۔

سنن ابی داؤد کی روایت کے مطابق رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:[1]

نزلت ھٰذہ الاٰیۃ فی مسجد اھل قباء فیہ رجال یحبون ان یتطھروا۔	یہ آیت مسجد قبا والوں کے حق میں نازل ہُوئی ہے جس میں ایسے لوگ ہیں جو پاکیزگی کو پسند کرتے ہیں۔
قال: کانوا یستنجون بالماء۔ فنزلت فیھم ھٰذہ الاٰیۃ۔	راوی کہتا ہے کہ اہلِ قبا پانی سے بھی استنجے کرتے تھے۔ ان ہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہُوئی۔

صحیحین میں سعد[2] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

انہ سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن المسجد الذی اسس علی التقوٰی۔ وھو فی بیت بعض ازواجہ۔	انہوں نے رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسجد کے بارے میں دریافت کیا جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تھی اور آپؐ اپنے کسی ایک گھر میں تشریف فرما تھے۔
فاخذ کفا من حصی فضرب بالارض ثم قال: ھو مسجدکم ھذا المسجد المدینۃ۔	آپؐ نے ایک مٹھی بھر کنکریاں اُٹھا کر زمین پر ماریں اور فرمایا۔ وہ تمہاری یہی مسجد ہے۔ یعنی مسجد مدینہ۔

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ ۔ باب فی الاستنجاء بالماء

[2] سعد بن مالک رضی اللہ عنہ جو ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور ہیں۔ (المترجم)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ ان دونوں مساجد کی بنیاد تقویٰ پر تھی۔ البتہ ان میں سے مسجد نبوی اس نام کی زیادہ مستحق ہے اور مسجد قبا کے بارے میں آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ کیوں کہ اسی مسجد کے پڑوس میں منافقین نے مسجد ضرار تعمیر کی تھی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی طرف سے نماز ادا کرنے سے روک دیا گیا تھا۔

مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتہ مسجد قبا تشریف لے جایا کرتے تھے۔ جسے ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا معمول بنا لیا تھا۔ یہ بھی یاد رکھئے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی جب تک مدینہ منورہ میں رہتے وہ ہر روز اور ہر ہفتہ قبر مکرم کے پاس نہ جاتے تھے۔ ہاں! جب کبھی سفر سے واپس تشریف لاتے تو قبر مکرم کے پاس جا کر سلام عرض کرتے تھے۔ اسی طرح اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب سفر سے واپس آتے تو پھر بھی قبر مکرم کے پاس نہ آتے۔ نہ سلام کے لیے نہ دعا وغیرہ کے لیے۔ اور نہ ہی ان کی یہ عادت تھی کہ وہ حجرۂ مبارک سے باہر کھڑے رہیں، نہ اندر داخل ہونے کی کوشش کرتے جیسے ابن عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا۔

اگر کبھی ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کوئی سوال پوچھنا مقصود ہوتا تو پھر حجرۂ مبارک میں چلے جاتے۔ اس موقع پر اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کرتے جیسے آپ کی زندگی میں کیا کرتے تھے۔

وہ سلام جو آپ نہیں سن پاتے تو اس کے بدلے ربِ کریم آپ پر دس مرتبہ رحمت بھیجتا ہے جیسے نماز میں، مسجد میں داخل ہوتے اور مسجد سے نکلتے وقت سلام کہا جاتا ہے۔ یہ ایسا سلام ہے جس کا حکم ہر جگہ اور ہر وقت ہے۔ یہ دور کا سلام قریب والے سلام سے افضل ہے قریب سے سلام پڑھنے میں مومنین خواہ زندہ ہوں یا فوت شدہ برابر ہیں۔ البتہ مطلق اور عام سلام کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص ہے۔ جیسے درود شریف کا حکم آپ کی ذات کے لیے خاص ہے گو کہ غیر نبی پر عموماً درود و سلام اور خصوصاً درود پڑھنے میں اختلاف ہے۔

بعض علماء نے درود اور سلام دونوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص کیا ہے۔

یہ مسلک ابو محمد الجوینی سے منقول ہے۔

اس سلسلے میں جمہور علماء کا کہنا ہے کہ سلام آنحضرت ﷺ کے لیے خاص نہیں ہے۔ اور صلوٰۃ میں اختلاف ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر صلوٰۃ و سلام کے متعلق فرمایا ہے کہ:

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَٰئِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ (الاحزاب ۵۶)	اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم بھی اُن پر درود و سلام بھیجو۔

اس آیت کریمہ میں خبر اور امر دونوں موجود ہیں۔ لیکن عام مومنین کے بارے میں صرف خبر ہے جیسے:

هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَٰئِكَتُهُ (الاحزاب ۔ ۴۳)	وہی ہے جو تم پر اپنی رحمت نازل فرماتا ہے اور اس کے فرشتے طلب رحمت کی دعا کرتے ہیں۔

اسی وجہ سے بعض حضرات کا کہنا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے وہ حکم دیا ہے جس کی اس نے پہلے خود ابتدا کی ہے اور جس پر اللہ نے فرشتوں کی تعریف کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام کہتے ہوئے اللہ نے اپنی تمام مخلوق میں سے صرف مومنین کو یا أیّھا سے خطاب کیا اور مومنین پر اپنی صلاۃ (رحمت) کا ذکر کرتے ہوئے پہلے اپنی ذات سے ابتدا کی ہے اور پھر فرشتوں کا ذکر کیا ہے۔ لیکن اس کے بعد یہاں، مومنوں کو ایّھا سے خطاب نہیں کیا۔ حدیث میں آیا ہے کہ:

ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی معلم الناس الخیر [1]	اللہ رحمت بھیجتا ہے اور اس کے ملائکہ طلب رحمت کی دعا کرتے ہیں اس شخص کیلئے جو لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دیتا ہے۔

---

[1] جامع ترمذی۔ کتاب العلم

تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ انسان نماز اور غیر نماز میں اپنے لیے دُعا کرنے سے پہلے رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام کہے اور اس کے بعد دُعا مانگے۔

فرض نمازوں میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام کہنے میں اختلاف ہے۔

- امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک واجب ہے۔
- امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ امام مالک رضی اللہ عنہ اور امام احمد رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے مطابق واجب نہیں ہے۔

وجوب کی صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ نماز کا رکن ہے یا نہیں؟ یا اس کے سہواً ترک سے نماز باطل ہو گی یا نہیں؟

اس کے جواب میں دو روایات منقول ہیں۔

زیادہ صحیح یہ ہے کہ دُعا کے ساتھ درود شریف واجب ہے، یعنی دُعا کی ابتدا آپ پر درود سے کرنا چاہیے اور نماز میں آپ صَلّی اللّٰہ علیہ وَسَلَّم پر سلام پڑھنے کا حکم ہے اور وہ ہے تشہد میں جو کہ امام احمدؒ کے مشہور قول کے مطابق اور امام شافعیؒ کے نزدیک نماز کا رکن ہے اسے عمداً یا سہواً ترک کرنے سے نماز باطل ہو جائے گی اور امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک آخری تشہد میں ترک کرنے سے نماز باطل ہو گی۔

امام احمدؒ کے مشہور قول کے مطابق اور امام مالکؒ کے نزدیک اگر پہلے تشہد میں اسے عمداً ترک کر دیا جائے تو باطل ہو گی، لیکن سہواً چھوٹ گیا تو سجودِ سہو لازم ہونگے۔

اسے امام احمدؒ واجب اور اصحاب مالکؒ واجب سُنّت کا نام دیتے ہیں۔

جو شخص عمداً چھوڑ دے اسے نماز دوبارہ ادا کرنے میں کسی کا اختلاف نہیں اور جو سہواً چھوڑ دے اُسے سجدہ سہو کرنا ضروری ہو گا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز کے اندر جتنے بھی افعال ہیں ان کی تین قسمیں ہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جو عمل ہے۔ اگر کوئی شخص اُسے عمداً یا سہواً چھوڑ دے تو وہ گنہگار ہوگا۔ نماز کا اعادہ ضروری نہیں

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جو عمل واجب ہے وہ رکن ہے بخلاف حج کے۔ کیونکہ حج کے اندر باتفاقِ ائمہ جو عمل مستحب ہے نہ رکن، ادائے دم سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے۔

اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود دوسروں کے لیے رحمت کی دُعا مانگا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ (التوبة۔۱۰۳) ان کے حق میں دُعائے رحمت کرو۔

صحیحین میں روایت ہے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دُعا کی کہ:

اللّٰھم صل علی آل ابی اوفیٰ اے اللہ! ابی اوفیٰ کی آل پر رحمت نازل فرما۔

ایک دفعہ ایک عورت نے آکر عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے اور میرے خاوند کے لیے دُعا فرمایئے۔ تو آپ نے یوں دُعا کی کہ:

صلی اللہ علیک وعلی زوجک اللہ تعالیٰ تجھ پر اور تیرے خاوند پر رحمت نازل فرمائے۔[2]

اس میں بھی کسی کو اختلاف نہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آل کے لیے بھی اسی طرح طلبِ رحمت کی دُعا فرمایا کرتے تھے جیسے اُمت کو تعلیم دی تھی۔ آپ کے تعلیمی کلمات یہ ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ۔ باب صلوٰۃ الامام ودعائہ لصاحب صدقۃ۔
صحیح مسلم۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب الدعاء لمن اتی بصدقۃ۔

[2] مسند احمد، جلد ۳ ص ۳۹۸

اللهم صلّ علی محمدٍ و علیٰ اٰل محمدٍ کما صلیت علیٰ ابراھیم وعلیٰ اٰل ابراھیم انک حمید مجید۔ اللھم بارک علی محمدٍ و علیٰ اٰل محمدٍ کما بارکت علی ابراھیم وعلیٰ اٰل ابراھیم انک حمید مجید۔	اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی آل پر رحمت نازل فرما جیسے تُو نے ابراہیم علیہ السلام پر اور اُن کی آل پر رحمت نازل کی۔ بیشک تو حمید و مجید ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی آل پر برکت نازل فرما جیسے تو نے ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی آل پر برکت نازل کی بے شک تو حمید و مجید ہے۔

اگر کوئی شخص انفرادی طور پر کسی کو صلوٰۃ کہتا ہے، جیسے صلی اللہ علی ابی بکر، صلی اللہ علی عمر، صلی اللہ علی عثمان یا صلی اللہ علی علی۔ تو اس میں دو صورتیں ہیں۔

۱۔۔۔ پہلی یہ کہ جائز ہے۔

کیونکہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے استدلال کیا ہے جس میں انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ، صلی اللہ علیک۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے جمہور اصحاب جیسے قاضی، ابی یعلیٰ، ابن عقیل اور الشیخ عبدالقادر بھی اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس باب میں انہوں نے کسی اختلاف کا تذکرہ نہیں کیا۔

۲۔۔۔ دوسری صورت منع کی ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے ایک گروہ نے منع ہی کہا ہے اور ہمارے جد امجد ابوالبرکات رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب کبیر میں یہی کہا ہے ان کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا وہ قول ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ:

لَا اَعْلَمُ الصَّلٰوۃَ تَنْبَغِیْ مِنْ اَحَدٍ عَلٰی اَحَدٍ اِلَّا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم	میں نہیں سمجھتا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کی طرف سے کسی اور کو مستحق صلوٰۃ گردانا جائے۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور پر صلوٰۃ کو ممنوع

قرار دیتے ہیں۔ ان کا نقطہ یہ ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ کے سوا کسی اور پر صلوٰۃ بھیجی جائے تو اس کے مستحق بھی آنحضرت ﷺ ہی ہوں گے۔ البتہ تبعاً دوسرے پر اس کا صدق ہو سکتا ہے کیونکہ جو چیز قصداً جائز نہ ہو، وہ تبعاً جائز ہو سکتی ہے۔

جن لوگوں نے اس کو جائز قرار دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ کتاب وسنت میں اس کی نفی نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول سے استدلال کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے سوا کسی کے لیے واجب نہیں ہے۔ آپؐ کے لیے وجوب کی تخصیص امر کی بنا پر ہے جواز واستحباب کی بنا پر نہیں۔

ایک دلیل یہ بھی دیتے ہیں کہ مؤمنین کے لیے ملائکہ دُعا کرتے ہیں جیسے صحیحین میں مروی ہے رسُولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

إِنَّ الْمَلَائِكَةَ تُصَلِّي عَلَى أَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ[1]	تم میں سے اس شخص کے لیے ملائکہ رحمت کی دُعا کرتے رہتے ہیں جب تک وہ اپنی جائے نماز پر بیٹھا رہتا ہے۔

لہٰذا جب ایک مومن کے لیے فرشتے طلب رحمت کی دُعا کریں اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں کا نزول فرمائے تو ایک مؤمن کے لیے کیسے ناجائز ہوگا کہ وہ اپنے مؤمن بھائی کے لئے طلبِ رحمت کی دُعا نہ کرے؟

رہا ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کا قول: تو یہ اُن اہلِ بدعت کے لئے ہے جو عام مؤمنین کو چھوڑ کر صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے صلوٰۃ کے قائل ہیں، جو بالاتفاق بدعت ہے۔ یہ بدعتی لوگ بنی ہاشم کے تمام افراد، اور حسن وحسین رضی اللہ عنہما اور ان کی ازواج کے تمام افراد کے حق میں رحمت کی دُعا نہیں کرتے۔ حالانکہ صحیحین میں یہ الفاظ بصراحت موجود ہیں کہ

---

[1] صحیح بخاری وصحیح مسلم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ ؎ — اے اللہ! محمد ﷺ اور آپ کی ازواجِ مطہرات اور آپ کی اولاد پر رحمت نازل فرما۔

اس روایت کے بعد کسی شخص کے پاس کوئی جواز نہیں کہ وہ اہلِ بیت میں سے چند افراد کو چھوڑ کر بعض کے لیے دُعا کرے۔ یا۔ چند مومنین کو دُعا کے لیے مخصوص کرلے۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ ہر مومن دوسرے پر سلام کہے تو اب جو شخص اس کو ممنوع کہے اور عقیدہ رکھے کہ رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی پر بھی درود و سلام نہ کہا جائے جیسے ابو محمد الجوینی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا مسلک ہے تو یہ بات علمائے متقدمین میں معروف نہ تھی بلکہ اکثر علماء متاخرین نے اس کی تردید کی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ عام مومنوں کو حکم ہے کہ ایک دوسرے کو سلام کہیں۔

عام مومنوں کا آپس میں سلام کہنا واجب ہے یا مستحب مؤکد؟ اس میں دو قول ہیں اور یہ دونوں قول امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے مطابق درست ہیں۔ البتہ سلام کا جواب دینا بالاجماع واجب ہے۔ سب لوگ جواب دیں یا ایک شخص جواب دے دے تو بھی کافی ہے۔

جب کوئی مسلمان نماز سے فارغ ہو تو کہے کہ السلام علیکم۔ السلام علیکم۔

رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کو زیارتِ قبور کے وقت مندرجہ ذیل دُعا سکھلایا کرتے تھے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ۔ — اے مومن اور مسلمان اہلِ دار! تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔

؎ صحیح بخاری۔ کتاب الدعوات۔ باب ھل یصلی علی غیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم

صحیح مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

جو علماء کرام کہتے ہیں کہ ..... سلام آنحضرت ﷺ کا خاصہ ہے وہ حاضر موجود شخص کو سلام کہنے سے نہیں روکتے۔ لیکن وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ غیر حاضر کو سلام نہیں کہا جا سکتا دُور سے سلام کہنا صرف آنحضرت ﷺ کا ہی خاصہ ہے۔ ان کا یہ موقف کمزور ہے۔ اس لیے کہ اس کا حکم اور وجوب آنحضرت ﷺ کا خاصہ ہے۔ جیسے تشہد میں۔ تشہد میں آپؐ کے سوا کسی خاص اور معین شخص کو سلام نہیں کہا جاتا۔ یہی صورت مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت سلام کہنے کی ہے۔ اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ سلام صلوٰۃ ہی کی طرح ہے اور یہ دونوں نماز اور غیر نماز میں واجب ہیں۔ البتہ رسُول اللہ ﷺ کے سوا عام افراد کو ملاقات کے وقت سلامِ تحیہ کہنا بالاتفاق واجب ہے۔

سلامِ تحیہ واجب ہے یا مستحب ؟ اس میں امام احمد رحمہ اللہ سے دو[2] قول مروی ہیں۔ دلائل اور نصوص کی روشنی میں اسے واجب ہی سمجھا جائے گا۔ ہمارے اس مسلک کی تائید صحیح مسلم کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں رحمتِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ :

خَمْسٌ تَجِبُ لِلْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ:	ایک مسلمان کے دوسرے پر پانچ حقوق واجب ہیں۔
۱۔ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِذَا لَقِيَهُ	جب ملاقات ہو تو سلام کہے۔
۲۔ وَيَعُودُهُ إِذَا مَرِضَ	جب بیمار پڑ جائے تو اس کی عیادت کرے۔
۳۔ وَيُشَيِّعُهُ إِذَا مَاتَ	جب فوت ہو جائے تو اس کے جنازہ کے ساتھ جائے۔
٤۔ وَيُجِيبُهُ إِذَا دَعَاهُ	جب دعوت دے تو قبول کرے۔
٥۔ وَيُشَمِّتُهُ إِذَا عَطِسَ	جب چھینک مارے تو جواب دے۔

اکثر فقہاء نے دعوت قبول کرنے کو واجب قرار دیا ہے اور نماز جنازہ بالاتفاق فرض

کفنا یہ ہے۔ ملاقات کے وقت سلام کہنا، اور بیمار کی عیادت دعوت قبول کرنے سے زیادہ اہم ہے۔

ملاقات کے وقت سلام نہ کہنے اور مریض کی عیادت نہ کرنے کے نقصانات دعوت قبول نہ کرنے کے نقصانات سے زیادہ سنگین ہیں۔

دعوت قبول کرنے اور مریض کی عیادت کرنے سے سلام کہنا زیادہ آسان ہے۔

ان مسائل کی مزید تشریح کا یہ موقع نہیں۔

ہماری گفتگو کا ماحاصل یہ ہے کہ زندگی میں ملاقات اور مرنے کے بعد قبر کی زیارت کے وقت سلام کہنا ہر مسلمان کا دوسرے پر حق ہے۔

مندرجہ حدیث کی روشنی میں صحابہ کرام کو اس بات کا علم تھا کہ قبر مکرم کے پاس آپ کو سلام کرنے میں آپ کی کوئی خصوصیت نہیں۔ اور نہ ہی آپ کو دوسرے پر فضیلت ہے بلکہ یہ تو ہر مسلمان کے حق میں ضروری ہے خواہ وہ زندہ ہو یا مُردہ۔ کیونکہ ہر مومن سلام کا جواب دیتا ہے۔

یہاں سلام کا جواب مقصود بالذات نہیں بلکہ حکم تو یہ ہے کہ جب بھی ایک مومن دوسرے سے ملے تو سلام کہے اور جب کسی مومن کی قبر پر جائے تو سلام کہے۔ دُور دراز کا سفر کرنا مناسب نہیں۔

نماز کے اندر، مسجد میں داخل اور مسجد سے نکلتے وقت رسُول اللہ ﷺ پر سلام کہنا، یہ آپؐ کی خصوصیت ہے۔ یہ ایسا عمل ہے جس کا قرآن کریم میں حکم ہے اور جو شخص رسُول اللہ ﷺ پر درود و سلام کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتا ہے۔ یہ ایسا عمل ہے جو افضل وانفع اور اکمل ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں فتنہ دفساد کا خدشہ نہیں۔

درود و سلام کہنا ایسا عمل ہے جو قبر مکرم کے ساتھ خاص نہیں اور نہ ہی اس عمل

کے لیے سفر کرنے کی اجازت ہے۔ بلکہ اس مقصد کے لیے نیت کرنا بھی قبر مکرم کو میلہ بنانے کے مترادف ہوگا۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

میرے گھر کو میلہ نہ بنانا۔

پس صحابہ، خلفائے راشدین اور مہاجر و انصار سابقین الاولین کے دور میں معمول یہ تھا کہ وہ مسجد نبوی میں تشریف لاتے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق آپ پر درود و سلام کہتے تھے۔ اور دوران نماز اپنے لیے ہر وہ دعا کرتے جو انہیں زیادہ پسندیدہ ہوتی تھی۔ جیسے صحیحین میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو تشہد سکھلایا تو فرمایا کہ تشہد کے بعد جو چاہو دعا مانگو۔

صحابہ کرامؓ درود و سلام یا کسی بھی مسنون عمل کی بجا آوری کے لیے حجرۂ مبارک کے قریب یا اس کے اندر قبر مکرم کے پاس ہرگز نہ جاتے تھے۔ چہ جائیکہ انسان مصائب و مشکلات اور ضروریات کے لیے قبر مکرم کے پاس جائے۔ جیسے مشرک اور بدعتی لوگ کرتے ہیں۔ اس قسم کے مشرکانہ افعال کا وجود قرونِ ثلاثہ میں ناپید تھا۔ ان بدعات سے صحابہ، تابعین، تبع تابعین کا دور بالکل خالی، صاف ستھرا اور نکھرا ہوا ہے۔

صاحب علم و ایمان انسان اگر مذکورۃ الصدر دلائل پر غور کرے تو اس پر دینِ حق اور صحیح موقف واضح ہو جائے گا۔ اور پھر وہ شخص اہلِ توحید، اہلِ سنت، اہل ایمان اور اہلِ جہل و بدعت میں فرق کر سکے گا۔

مندرجہ دلائل و براہین کی روشنی میں یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ خلفاء راشدین اور جمہور صحابہ مسجد نبوی میں داخل ہو کر نمازیں ادا کرتے اور پھر نماز کے اندر، مسجد میں داخل اور مسجد سے نکلتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام کہتے لیکن قبر مکرم کے قریب

لے ایک حدیث میں کے الفاظ منقول ہیں۔

جانے کی ضرورت محسوس نہ کرتے تھے۔

ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ مسجد میں داخل ہوتے وقت آپؐ پر یوں سلام کہے۔ کہ

بِسْمِ اللّٰهِ وَ السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَ فْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ .	اللہ کا نام لے کر رسول اللہ ﷺ پر سلام ہو۔ اے اللہ! میرے گناہ معاف فرما۔ اور اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

اور جب مسجد سے نکلے تو کہے کہ:

بِسْمِ اللّٰهِ وَ السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ۔	اللہ کا نام لے کر۔ رسول اللہ ﷺ پر سلام ہو۔ اے اللہ! میرے گناہ معاف فرما اور اپنے فضل کے دروازے میرے لیے کھول دے

یہ ایسا سلام ہے جو انسان کو قبر مکرم کے نزدیک سلام کرنے سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا خاصہ ہے جس میں کسی قسم کا خدشہ و مفسدہ نہیں ہے۔ یہ ایسا عمل ہے جو نمازوں میں بار بار دہرایا جاتا ہے۔ اذان کے وقت بھی اس کی تجدید ہوتی ہے اور ہر مسلمان رسول مکرم کے لیے وسیلہ کا طالب ہوتا ہے۔ صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَيَّ فَاِنَّهٗ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ مَرَّةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا	جب اذان سنو تو جو الفاظ مؤذن کہے وہی تم کہو۔ پھر مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس دفعہ رحمت نازل فرماتا ہے۔
ثُمَّ سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ فَاِنَّهَا دَرَجَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِيْ اِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ وَ اَرْجُوْا	پھر میرے لیے وسیلہ کی دعا کرو۔ وسیلہ جنت کے درجات میں سے ایک درجہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک کے لیے

اَنْ اَكُوْنَ اَنَا هُوَ مَنْ سَأَلَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ	خاص ہے مجھے اُمید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں۔ جو شخص میرے لیے وسیلہ کی دُعا کرتا ہے قیامت کے دن اس کی شفاعت مجھ پر حلال ہو جائے گی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس سے بخوبی آگاہ تھے کہ قبر مکرم پر وہی سلام مستحب ہے جو عام ملاقات کے وقت کہا جاتا ہے جو ہر مسلمان پر مستحب ہے کہ وہ اپنے بھائی کو ملتے وقت یا اس کی قبر پر حاضری کے وقت کہے۔ اس سلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور عام مومن برابر ہیں —— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

مَا مِنْ رَجُلٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ	اگر کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجے گا تو اللہ تعالیٰ میرے جسم میں روح کو واپس کر دے گا۔ یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دوں گا۔

اور عام مومنین کے بارے میں مروی ہے کہ:-

مَا مِنْ رَجُلٍ يَمُرُّ بِقَبْرِ اَخِيْهِ الْمُؤْمِنِ كَانَ يَعْرِفُهُ فَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ اِلَّا عَرَفَهُ وَرَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ	جب کوئی شخص اپنے اس مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو وہ پہچانتا تھا۔ وہ اسے سلام کرتا ہے مگر یہ کہ وہ اس کو پہچان لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپ قبرستان تشریف لے جاتے تو یہ دُعا پڑھتے۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ۔ اَنْتُمْ لَنَا فَرَطٌ وَنَحْنُ لَكُمْ تَبَعٌ نَسْاَلُ اللّٰهَ الْعَافِيَةَ لَنَا وَلَكُمْ۔	سلامتی ہو تم پر اے گھر والو! مومنو اور مسلمانوں میں سے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم بھی ملنے والے ہیں۔ تم ہم سے آگے ہو اور ہم تمہارے تابع ہیں۔ میں اپنے اور تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگتا ہوں۔

آپ صحابہ کرام کو بھی یہی دُعا سکھایا کرتے تھے۔ دورانِ نماز آپ پر درود و سلام کہنا

قبرِ مکرم کے نزدیک کہنے سے افضل ہے۔ اس کا ہر مسلمان کو حکم بھی ہے اور آپ کا خاصہ بھی۔

جو شخص آپ پر درود وسلام کہتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر رحمتیں نازل فرماتا ہے

جو شخص رسول مکرّم ﷺ پر ایک دفعہ درُود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس دفعہ رحمت نازل فرماتا ہے اور جو شخص ایک دفعہ سلام کہتا ہے اللہ اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتا ہے۔ لہٰذا یہ مقصد آنحضرت ﷺ اور اُمتی کو اس وقت حاصل ہو جاتا ہے جب وہ مسجد نبوی میں یا کسی دوسری مسجد میں داخل ہوتے وقت آنحضرت ﷺ پر درود وسلام کہتا ہے۔ لہٰذا قبرِ مکرم کے پاس جانے سے نہ آپ کو اور نہ سلام کہنے والے کو کوئی فائدہ ہوتا ہے۔ البتہ مسجد قباءؔ اس سے مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر ہفتہ کے دن وہاں جا کر اتباعِ سُنّت کا مظاہرہ کیا کرتے تھے۔ انہیں علم تھا کہ مسجد قباء میں حاضری دے کر اتباعِ رسُول ﷺ کا فریضہ بھی ادا کرتے اور مسجد نبوی میں جمعہ اور نماز کے اندر درُود وسلام پڑھ کر دونوں اجروں کو سمیٹ لیتے تھے کیونکہ مسجد قباء میں نماز ادا کرنے سے دونوں فائدے بیک وقت حاصل ہو جاتے ہیں۔

یہی حال اس شخص کا ہے جو اہلِ بقیع اور شہدائے اُحد کی قبروں کی زیارت کے لیے جاتا ہے۔ جیسے رحمتِ دوعالم ﷺ وہاں تشریف لے جا کر ان کے لیے دُعا فرماتے تھے۔ اس میں صرف فائدہ ہی فائدہ ہے خرابی کوئی نہیں جنت البقیع اور شُہدائے اُحد کے لیے نماز کے اندر دُعا نہیں کی جاتی اسی وجہ سے ان کی قبروں پر جانا ایک مستقل مسئلہ ہے۔ بایں ہمہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اس کو سنّت قرار دے لینا مکروہ ہے۔ اس سلسلے میں ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کا عمل واجب اتباع نہ ہوگا۔ جیسے ان کے منبر نبوی کے اس حصّے کو چھونا جہاں آنحضرت ﷺ بیٹھا کرتے تھے کو قابلِ عمل نہیں سمجھا گیا۔

رسُولِ معظم ﷺ نے جن مقامات پر نماز ادا کی ہے ابنِ عُمر رضی اللہ عنہ وہاں جانا مستحب سمجھتے تھے، بلکہ وہاں جا کر نماز ادا آپ کا معمول بن گیا تھا۔ اس کے باوجود جمہور صحابہ کرامؓ

نے اسے ________ استحباب کی نگاہ سے نہیں دیکھا جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر اس عمل کو محبوب سمجھتے تھے جسے آنحضرت ﷺ نے پسند فرمایا تھا اور وہ یہ کہ جہاں نماز کا وقت ہو جائے وہیں نماز ادا کرنا ضروری ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس شخص کو سختی سے منع فرماتے جو کسی جگہ جا کر نماز ادا کرنے کی کوشش کرتا جہاں آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔ آپ کا مشہور قول ہے کہ:

إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِهٰذَا فَإِنَّهُمْ اتَّخَذُوْا آثَارَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ مَنْ أَدْرَكَتْهُ الصَّلٰوةُ فِيْهِ فَلْيُصَلِّ وَإِلَّا فَلْيَذْهَبْ۔

تم سے پہلے لوگ اسی بنا پر ہلاک ہوئے کہ وہ اپنے انبیاء کے نشانات کو عبادت گاہ بنا لیا کرتے تھے اور اگر کسی کو وہاں نماز کا وقت آئے تو نماز ادا کرے ورنہ وہاں سے چل دے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو وہی حکم دیا جو سنت نبوی کے مطابق تھا۔ آپ ان خلفائے راشدین میں سے ایک ہیں جن کی اتباع کرنے کی آنحضرت ﷺ نے وصیت فرمائی تھی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اتباع کی بطور خاص وصیت ہے آپ فرماتے ہیں۔

اِقْتَدُوْا بِالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِيْ أَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ

میرے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کرنا۔

اقتدا کا حکم امر سنت سے زیادہ اعلیٰ وارفع ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ وہ بیت المقدس کی طرف بار بار سفر کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے تاکہ اس سفر کو لوگ سنت نہ سمجھ لیں۔

امام موصوف سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ وقت مقرر کر کے بیت المقدس کی طرف جانے کو بھی مکروہ سمجھتے تھے تاکہ اس سفر کو لوگ سنت نہ سمجھ لیں جیسے حج وغیرہ۔ کیونکہ وقت مقرر کر کے رسول کریم ﷺ مسجد قباء گئے نہ قبور شہداء گئے اور نہ ہی جنت البقیع کی طرف

تشریف لے گئے جس طرح حج، جمعہ اور عیدین میں آپ کا معمول تھا۔ اس فرق کو مدِنظر رکھنا انتہائی ضروری ہے۔

آپؐ نے رات کے وقت بارہا جماعت سے نماز ادا کی۔ ضحیٰ، کسوف، عیدین اور جمعہ کے علاوہ پانچوں نمازوں کا وقت مقرر فرمایا۔

رہا صرف سلام عرض کرنے کے لیے قبرِ مکرمؐ کے پاس جانا، تو یہ وظیفہ نماز کے اندر، مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت مسنون دُعا پڑھنے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا قبرِ مکرمؐ کے پاس جانے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

نماز کے بعد بار بار قبرِ مکرمؐ کے پاس جانے سے یہ خطرہ ہے کہ قبرِ مکرم میلہ اور وثن نہ بن جائے جس سے آپؐ نے منع فرمایا ہے۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں مدفون ہیں۔ تمام اُمہات المومنینؓ کے مکانات مسجدِ نبویؐ سے مشرقی جانب واقع تھے۔ آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں یہ مکان بھی مسجد کے اندر نہ تھا بلکہ آپؐ مکان سے نکل کر مسجد کی طرف تشریف لے جایا کرتے تھے۔

جب ولید نے اقتدار سنبھالا تو اس نے مساجد کی تعمیر و توسیع میں ایک خاص مقام حاصل کیا۔ اسے مساجد تعمیر کرنے کا خاصہ شوق اور جذبہ تھا۔ چنانچہ اس نے مسجدِ نبویؐ، مسجدِ حرام اور مسجدِ دمشق وغیرہ میں توسیع کی۔ اس نے اپنے گورنر عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ وہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مکانات جن جن کے پاس بطور ورثہ ہیں قیمتاً خرید کر مسجد میں شامل کر دے۔ چنانچہ تمام مکانات کو خرید لیا گیا اور پھر انہیں مسجد میں شامل کر دیا گیا۔

یہ وہ وقت تھا جب خلفائے راشدین میں سے ایک بھی بقید حیات نہ تھا۔ ابن عمر، ابن عباس، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی اس دارِفانی سے رحلت فرما گئی تھیں۔

سعید بن مسیّب کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے اس توسیع کو اچھا نہیں سمجھا۔
اکثر صحابہ اور تابعین نے بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تجدید مسجد نبویؐ سے اتفاق نہیں کیا تھا۔
کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پتھر، چونا اور ساگوان کی لکڑی سے مسجد کو مزین بنا دیا تھا۔
جب ولید نے مسجد کی توسیع کی تو اکثر تابعین نے اسے استحسان کی نگاہ سے
نہیں دیکھا۔
۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مسجد کو وسیع کرنا۔ تو آپ نے دیواریں گارے سے، ستون
کھجور کے تنوں کے اور چھت کھجور کی ٹہنیوں سے بنائی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس
عمل پر کسی صحابی نے تنقید نہیں کی۔ البتہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ولید کی توسیع پر اختلاف
پیدا ہوا تھا۔
ولید کے سیکرٹری[1] کا بیان ہے کہ:
"امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن عُمرؓ کا قول نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں مسجد نبویؐ کی دیواریں اینٹوں کی، چھت کھجور کی ٹہنیوں کی اور ستون
کھجور کی لکڑی کے تھے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس پر کسی قسم کا اضافہ نہیں کیا۔ عمر فاروقؓ
نے توسیع کی تو بھی مسجد کی شکل و صورت وہی رہی، جو آپؐ کے وقت تھی۔ البتہ حضرت عثمانؓ
نے خاصی تبدیلیاں کی تھیں۔ آپ نے دیواریں اور ستون منقش پتھروں سے بنائے اور چھت کو
ساج سے مزین کیا۔
امام مالکؒ فرماتے ہیں۔
منبرِ رسولؐ اور مسجد کی وہ دیوار جو قبلہ کی طرف تھی کے درمیان صرف اتنا فاصلہ تھا کہ
ایک بکری گزر سکتی تھی۔ پھر عُمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قبلہ رُخ دیوار کو حدِ مقصورہ تک بڑھا دیا۔

---

[1] ان کا نام عبداللہ بن یعقوب اسکندری تھا۔ (مترجم)

پھر عثمان غنی رضی اللہ عنہ اسی دیوار کو وہاں تک لے آئے جہاں اب واقع ہے۔ البتہ منبر کو اپنی جگہ پر ہی رہنے دیا۔

خارجہ بن زید جن کا شمار مدینہ منورہ کے سات معروف و مشہور فقہا میں ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجد تعمیر کی جس کا طول ۷۰ اور عرض ۶۰ ہاتھ یا قدرے زیادہ تھا۔

اہلِ سیر کا کہنا ہے کہ:

عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جب مسجد نبوی کی توسیع کی تو اس وقت مسجد کا طول و عرض ۶۰ ہاتھ مربع تھا۔ اور مسجد کے چھ دروازے بنائے۔ جیسے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں تھے۔ اور جب ولید بن عبدالملک نے مسجد کی توسیع کی تو مسجد کا طول ۲۰۰ ہاتھ اور عرض قبلہ کی طرف سے ۲۰۰، اور پچھلی طرف سے ۱۸۰ ہاتھ تک بڑھا دیا۔

پھر اس کے بعد مہدی نے اس کی لمبائی میں صرف شام کی جانب ایک سو گز کا مزید اضافہ کر دیا۔ باقی تین جہتوں سے تعرض نہیں کیا گیا۔ واللہ اعلم۔

عہدِ صحابہ میں جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرنا چاہتا وہ حجرہ کی مغربی جانب سے قبلہ رُخ ہو کر یا حجرہ کی طرف مُنہ کر کے سلام کہتا۔ اب جہتِ قبلہ سے بھی آنا ممکن ہے۔ اکثر علماء کا کہنا ہے کہ سلام عرض کرنے والے کو مستحب یہ ہے کہ وہ حُجرہ کی طرف منہ کر کے سلام کہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ قبلہ رُخ ہو کر سلام کہے۔

ولید نے اپنے باپ عبدالملک کی وفات کے بعد ۸۰ سے ۹۰ھ کے درمیان عنانِ حکومت سنبھالی تو اس وقت صحابہ کرام میں سے چند ایک کے سوا کوئی بقیدِ حیات نہ تھا۔ جیسے انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔ وہ بھی بصرہ میں تھے۔ آپ کی وفات ۹۰ سے ۱۰۰ھ کے درمیان ولید بن عبدالملک کے دور میں ہوئی۔ مدینہ منورہ میں تمام صحابہ کے بعد فوت ہونے والوں

میں جابر بن عبداللہؓ تھے جو ۸۰ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کی وفات کے تقریباً دس سال بعد ولید بن عبدالملک نے رسول اللہ ﷺ کے مکانات کو خرید کر مسجد میں داخل کیا اور مسجد کی توسیع ان کی وفات کے بعد عمل میں آئی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی موجودگی میں مسجد کی توسیع ضرور کی لیکن آنحضرتؐ کے مکانات میں سے معمولی حصہ بھی مسجد میں داخل نہیں کیا۔ وہ مسجد سے باہر ہی رہے — جیسے آنحضرت ﷺ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں تھا۔ اس لیے کہ اُمّ المؤمنین صدیقہ رضی اللہ عنہا اس میں رہائش پذیر تھیں۔

حضرت معاویہؓ کی خلافت تک آپ وہیں رہیں۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد آپ کا انتقال ہوا۔ حضرت حسنؓ نے اُمّ المؤمنین سے حجرہ مبارک میں دفن ہونے کی اجازت طلب کی۔ چنانچہ آپ نے بخوشی اجازت عطا فرما دی۔ لیکن دوسرے صحابہ نے اچھا نہ سمجھا۔ کیونکہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جیسے صحابی حجرہ میں دفن نہ ہوئے تو دوسرا بھی دفن نہیں ہو سکتا۔ دوسری بات یہ بھی زیرِ غور تھی کہ کہیں اس پر کوئی فتنہ کھڑا نہ ہو جائے۔

جب اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے آثار نمودار ہوئے تو آپ نے بطورِ خاص وصیت فرمائی کہ مجھے حجرہ کی بجائے جنت البقیع میں دفن کیا جائے۔

مسجد کی توسیع کے سلسلے میں ولید بن عبدالملک نے جو کچھ کیا، اس کے متعلق تابعین کے سوا کسی نے اظہارِ خیال نہ کیا، جیسے کہ سعید بن مسیّبؒ اور ان ہی جیسے دیگر تابعین کرامؒ نے اس عمل کو اچھا نہیں سمجھا)

آپ کو تابعین میں بہت مقام حاصل ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ تابعین میں سب سے افضل کون ہے؟ آپ نے کہا: سعید بن مسیبؒ۔

امام موصوف سے سوال ہوا کہ وہ علقمہ اور اسود سے بھی افضل ہیں؟ آپ نے کہا: ہاں! سعید بن مسیبؒ افضل ہیں۔

یہ بھی یاد رکھیے کہ علقمہ اور اسود مسجد کی اس توسیع سے کافی عرصہ پہلے فوت ہو چکے تھے۔

حجرہ مبارک کو مسجد میں داخل کرنے سے پہلے ہی مسجد نبوی کی فضیلت مسلم تھی۔ مسجد نبوی کی فضیلت تو اس لیے ہے کہ اسے آنحضرت ﷺ نے اپنے اور مومنین کے لیے تعمیر کیا تھا کہ اس میں نماز ادا کیا کریں گے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے خود اس کی فضیلت بیان فرمائی۔

ہم یہاں پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول نقل کرتے ہیں جس میں وہ کہتے ہیں کہ

"مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جبریل ہی نے جہتِ قبلہ سے آگاہ کیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات تک اسی مسجد میں جمعہ اور نماز باجماعت کا اہتمام فرمایا۔ سفر و حضر میں اس مسجد کے سوا کہیں جمعہ ادا نہیں کیا، ہاں البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز باجماعت ہر جگہ پر ادا کر لیا کرتے تھے، جہاں بھی موقعہ ملتا۔"

لہٰذا ہم رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنے کے مکلف ہیں۔ ہم پر لازم ہے کہ آپ کی ہر بات کی تصدیق کریں اور جو حکم دیں اس پر عمل کریں کیونکہ آپ کی تصدیق اور اطاعت کے بغیر ایمان کی تکمیل ناممکن ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے جمیع افعال کی اقتداء کرنا ہمارے لیے مسنون ہے۔

آپؐ کے وہ افعال و اعمال جو وجوب، استحباب یا اباحت پر مبنی ہیں، ان پر اسی طرح عمل کرنے کے مکلف ہیں۔ ہاں جو اعمال آپؐ کی ذات کے ساتھ خاص ہیں، وہ الگ ہیں۔ آپؐ نے جس جگہ کو عبادت کے لیے مسنون قرار دیا ہے ہم پر لازم ہے کہ ہم بھی اسی جگہ کا قصد کریں۔

آنحضرت ﷺ نے جب مکہ مکرمہ کے سفر کا ارادہ فرمایا تو نیت یہ تھی کہ مسجد الحرام میں دوسری عبادات کے ساتھ ساتھ اس میں نماز ادا کریں گے۔

○ بیت اللہ کا طواف کریں گے۔

- صفا مروہ کی سعی کریں گے۔
- میدان عرفات اور مشعر الحرام میں وقوف کریں گے۔
- تینوں جمرات کو کنکریاں ماریں گے۔
- پہلے دو جمروں کے پاس کھڑے ہو کر دعا مانگیں گے۔

لہٰذا یہ سب کام ہمارے لیے مشروع ہیں۔ بعض واجب اور بعض مستحب۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں مقیم رہے مسجد الحرام کے علاوہ کہیں نہیں گئے۔ دوران سفر ہجرت جس غار میں قیام کیا تھا وہاں بھی نہیں گئے ورنہ غار حرا میں تشریف لے گئے جہاں آپ نبوت سے پہلے عبادت کیا کرتے تھے۔ نیز اہل مکہ بھی اسی طرح عبادت کیا کرتے تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ طریقہ عبد المطلب نے ایجاد کیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کے بعد دو رکعت نماز ادا کی لیکن سعی بین الصفا والمروۃ کے بعد نماز پڑھنا ثابت نہیں اور نہ ہی آپ نے نماز پڑھی۔

آپ جب مسجد الحرام میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے طواف کیا اور یہی طواف تحیۃ المسجد کے قائم مقام ٹھہرا۔ آپ عام مسجد میں داخل ہو کر دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کیا کرتے تھے۔ مسجد الحرام میں داخل ہو کر یہ دو رکعت ادا نہیں کیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب منیٰ پہنچے تو سب سے پہلے جمرۃ العقبہ کو رمی کی۔ اس کے بعد قربانی کی پھر سر مبارک منڈوایا۔ اس کے بعد طواف بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے۔ اب سنت طریقہ یہی ہے کہ اہل منیٰ پہلے رمی کریں پھر قربانی کریں۔ اہل منیٰ کا جمرات کو رمی کرنا (دوسروں کے حق میں) نماز عید کے برابر ہے۔ عرفات میں اور منیٰ میں نماز عید ہے نہ جمعہ۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مقامات پر نماز عید پڑھی اور نہ جمعہ۔ آپ دوران سفر عید کی نماز پڑھتے نہ جمعہ۔ اسی بنا پر علماء کا خیال ہے کہ سفر میں نماز جمعہ نہ پڑھی جائے۔ اس میں علماء کا معمولی اختلاف ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں نماز عید ادا نہیں کی اسی بنا پر جمہور علماء کا کہنا ہے

کہ جہاں جمعہ نہیں وہاں نمازِ عید بھی نہیں۔

مدینہ طیبہ میں رسول اللہ ﷺ کے مبارک دور میں صرف ایک ہی عید پڑھی جاتی تھی اور کوئی شخص انفرادی طور پر نماز نہیں پڑھتا تھا یہ جمہور علماء کا قول ہے لیکن اس میں اختلاف ہے۔

اسی بناء پر منیٰ میں مسلمان پہلے رمی اور پھر قربانی کرتے ہیں تاکہ سنّت کی اتباع ہو جائے۔ رسول اکرمؐ نے جو عمل قربِ الٰہی کی خاطر انجام دیا، وہ عبادت ہے اور اسے اسی طرح تقرب الٰہی کے لیے انجام دیا جائیگا۔

رسول اللہ ﷺ نے جس کام سے اعراض کیا یا کسی وجہ سے اُسے انجام نہیں دیا وہ نہ تو عبادت ہے نہ مستحب۔ اور جس کام کو اباحت کی بنا پر کیا لیکن اس میں نیت عبادت کی نہ تھی وہ مباح ہوگا۔

بعض علماء نے ہیئت تک میں مشابہت کو مستحب قرار دیا ہے، جیسے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا معمول تھا۔

اکثر علماء یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی متابعت اس وقت ہوگی جب ہم بھی وہی نیت کریں جو آپ نے کی تھی صرف صورت میں مشابہت فائدہ مند نہ ہوگی اور جو کام آپ نے عبادت کی نیت سے نہیں کیا ایسا کام عبادت کی نیت سے کرنا مستحب نہیں یہ آپ کی متابعت نہ ہوگی بلکہ مخالفت ہوگی۔ ایک روایت میں ہے کہ

اِنَّهٗ كَانَ يُصَلِّي حَيْثُ اَدْرَكَتْهُ الصَّلٰوةُ [1]	رسولِ اکرم ﷺ جہاں نماز کا وقت ہو جاتا وہیں ادا کر لیتے۔

صحیح بخاری میں روایت بھی ہے جس میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے سوال کیا تھا کہ زمین پر سب سے پہلے کون سی مسجد تعمیر ہوئی؟ آپ نے فرمایا تھا کہ:

---

[1] صحیح بخاری۔ آخر باب مقدم النبیؐ واصحابہ المدینۃ

اَلْمَسْجِدُ الْحَرَامُ ثُمَّ الْمَسْجِدُ الْاَقْصٰی ثُمَّ حَیْثُ مَا اَدْرَکَتْکَ الصَّلٰوۃُ فَصَلِّ فَاِنَّہٗ مَسْجِدٌ

پہلے مسجد الحرام پھر مسجد اقصیٰ۔ اس کے بعد جہاں نماز کا وقت ہو جائے وہیں نماز ادا کرلے وہی مسجد ہے۔

صحیح کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ

فَاِنَّ فِیْہِ الْفَضْلُ

وہیں نماز ادا کرنا فضل ہے۔

پس جو لوگ جس جگہ نماز کا وقت ہو جائے اور وہ نماز پڑھے بغیر ہی وہاں سے آگے نکل جائیں تاکہ ایسی جگہ جاکر نماز ادا کریں جہاں کسی نبی کی کوئی نشانی ہو تو وہ لوگ سنّتِ نبوی کے تارک اور مخالف ہوں گے۔

حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک دفعہ دیکھا کہ کچھ لوگ ایسی جگہ جا رہے ہیں جہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہ کیا ماجرا ہے؟ جواب ملا کہ اس جگہ آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اچھا یہ وہ جگہ ہے جہاں آپ نے نماز ادا کی تھی۔ پھر فرمایا کہ:

اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَتَّخِذُوْا اٰثَارَ اَنْبِیَائِکُمْ مَسَاجِدَ۔ اِنَّمَا ھَلَکَ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ بِمِثْلِ ھٰذَا

تم چاہتے ہو کہ انبیاء کے آثار کو عبادت گاہ بنالو۔ بنو اسرائیل اسی وجہ سے ہلاک ہوئے تھے۔

فَمَنْ اَدْرَکَتْہُ الصَّلٰوۃُ فِیْہِ فَلْیُصَلِّ فِیْہِ وَاِلَّا فَلْیَذْھَبْ

جس شخص کو جہاں نماز کا وقت ہو جائے وہ وہیں نماز ادا کرلے ورنہ گزر جائے۔

مسجد نبوی ہی فضیلت والی ہے کیونکہ اس میں نماز کی فضیلت وارد ہے۔ یہ فضیلت کیوں نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد بھی تو یہ ہے کہ:

صَلوٰةٌ فِیْ مَسْجِدِیْ هٰذَا خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ صَلوٰةٍ فِیْمَا سِوَاهُ اِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامِ

مسجد الحرام کے سوا تمام مساجد سے میری اس مسجد میں نماز ادا کرنا ایک ہزار درجہ زیادہ ثواب ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ بھی ارشاد گرامی ہے کہ:

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ اَلْمَسْجِدُ الْحَرَامِ، وَ الْمَسْجِدُ الْاَقْصٰی وَ مَسْجِدِیْ هٰذَا

تین مساجد کے علاوہ کسی بھی مسجد کے لیے رختِ سفر نہ باندھا جائے یعنی مسجدِ حرام، مسجد اقصیٰ اور میری یہ مسجد۔

مسجدِ نبوی کو یہ فضیلت حجرہ نبوی کو مسجد میں داخل کرنے سے پہلے ہی حاصل ہے۔ حجرہ کو مسجد میں داخل کرنے سے پہلے ایسے لوگ اس میں نماز ادا کرتے رہے جن کا مقابلہ قیامت تک آنے والے افراد نہ کرسکیں گے۔ کسی شخص کے ذہن میں یہ وہم ہرگز نہیں آنا چاہیئے کہ مسجد نبوی کو یہ فضیلت اس لیے ملی کہ اس میں حجرہ مبارک داخل کردیا گیا ہے اور اب اس کی فضیلت آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین کی زندگی سے بھی زیادہ ہے۔

اگرچہ خلفائے راشدین اور اُس وقت کے افرادِ اُمت کو فضیلت حاصل ہے۔ اب نہ وہ افراد ہیں نہ وہ دورِ مسعود ہے۔ مسجد نبوی کو اُس وقت بھی فضیلت حاصل تھی جبکہ ابھی حجرہ مبارک مسجد میں داخل نہیں تھا۔ اگرچہ حالات و واقعات اور افرادِ اُمت میں بے شمار تبدیلیاں آچکی ہیں۔

بہرکیف یہ خیال کرنا غلط ہے کہ مسجد نبوی کو حجرۂ مبارک کی وجہ سے فضیلت ہے۔ جن افراد نے حجرۂ مبارک کو مسجد میں داخل کیا ان کا مقصد تو صرف یہ تھا کہ مسجد کی توسیع ہو۔ اسی مصلحت کے پیشِ نظر آپ ﷺ کے مکانات کو مسجد میں داخل کردیا گیا۔ اگرچہ اس عمل کو بعض افراد نے اچھا نہیں سمجھا۔

ہماری گفتگو کا مقصدِ وحید یہ ہے کہ جو مساجد اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تعمیر کی گئی

ہیں تاکہ ان میں اللہ کی عبادت ہو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے تو ان مساجد کی فضیلت عبادت کی وجہ سے ہے کہ ان میں اللہ کے عام بندوں اور بعض انبیاء نے بھی عبادت کی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝ (التوبہ)	جو مسجد اول روز سے تقویٰ پر قائم کی گئی تھی وہی اس کے لیے زیادہ موزوں ہے کہ تم اس میں (عبادت کے لیے) کھڑے ہو۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں۔ اور اللہ کو پاکیزگی اختیار کرنے والے ہی پسند ہیں۔
اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (التوبہ - ۱۰۹)	پھر تمہارا کیا خیال ہے کہ بہتر انسان وہ ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد خدا کے خوف اور اس کی رضا کی طلب پر رکھی ہو یا وہ جس نے اپنی عمارت ایک وادی کی کھوکھلی بے ثبات کگر پر اٹھائی اور وہ اسے لے کر سیدھی جہنم کی آگ میں جا گری؟ ایسے ظالم لوگوں کو اللہ کبھی سیدھی راہ نہیں دکھاتا۔

اعمال کی فضیلت نیت کی درستگی، اللہ کی اطاعت اور ایمان محکم پر موقوف ہے۔

جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَ اَمْوَالِكُمْ وَ اِنَّمَا يَنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَ اَعْمَالِكُمْ ؎	اللہ تعالیٰ تمہاری ظاہری شکل و صورت کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔

صحیح نیت پر ثواب اور ترک فرض پر سزا ملے گی، اسی کی بدولت دنیا اور آخرت کی

؎ صحیح مسلم، کتاب البر، باب تحریم ظلم المسلم

مشکلات رفع ہوتی ہیں۔ انسان کو جو مصیبت آتی ہے وہ اس کی بدعملی کی وجہ سے آتی ہے۔

ارشادِ الٰہی ہے:

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۔ (بنی اسرائیل - ۷)	تم نے بھلائی کی تو وہ تمہارے اپنے ہی لیے بھلائی تھی، اور برائی کی تو وہ تمہاری اپنی ذات کے لیے برائی ثابت ہوئی۔
مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۔ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۔ (النساء - ۷۹)	اے انسان! تجھے جو بھلائی بھی حاصل ہوتی ہے اللہ کی عنایت سے ہوتی ہے، اور جو مصیبت تجھ پر آتی ہے وہ تیرے اپنے کسب و عمل کی بدولت ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ رزق، عافیت اور تندرستی اللہ تعالیٰ کے انعامات ہیں۔ اور مصائب و مشکلات انسان کے گناہوں کی وجہ سے نازل ہوتی ہیں۔ رب کریم کا ارشاد ہے:

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ (الشوریٰ - ۳۰)	تم لوگوں پر جو مصیبت بھی آتی ہے تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے آتی ہے۔ اور بہت سے قصوروں سے وہ ویسے ہی درگزر کر جاتا ہے۔

- تمام علمائے امت کا اس پر اتفاق ہے کہ:
- اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کسی کی نہیں۔
- اللہ تعالیٰ کے سوا توکل کسی پر نہیں۔
- تقویٰ اور ڈر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں۔
- اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق میں امت کا کوئی شخص شریک اور ساجھی نہیں جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات میں آپ کی لازمی اطاعت و فرمانبرداری۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۔ (النساء - ۸۰)	جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل خدا کی اطاعت کی ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ ؕ (النساء-۶۴)
ہم نے جو رسُول بھی بھیجا ہے اسی لیے بھیجا ہے کہ اذنِ خداوندی کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوگی۔ ارشادِ الٰہی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ (الفتح-۱۰)
اے نبی! جو لوگ تم سے بیعت کر رہے تھے وہ دراصل اللہ سے بیعت کر رہے تھے۔

بیعتِ رضوان کے موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ عہد باندھا تھا کہ وہ جہاد میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کریں گے اور جنگ کی صُورت میں وہ شہید تو ہو جائیں گے لیکن بھاگنا پسند نہیں کریں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ اطاعت حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی ہی اطاعت ہے اور ہم پر فرض ہے کہ ہم اپنی جانوں، اپنے آباؤ اجداد، اپنی اولاد، اور اپنے اہل و عیال اور مال و متاع سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھیں، جیسا کہ صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ [1]

مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے ماں باپ اس کے ولد، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔

صحیح بخاری میں عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول ــــــ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب محبۃ الرسول ــــــ الرد علی الاخنائی۔ حدیث ۳۶

تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ بولے: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے اپنی جان کے علاوہ ہر شے سے زیادہ محبوب ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا:

لَا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ حَتّٰی	بخدا! ہرگز نہیں۔
اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْکَ مِنْ نَفْسِکَ	یہاں تک کہ میں تیری اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔
فقال له عمر رضی اللہ عنہ	عمر نے عرض کی:
فانه الآن والله لانت احب الی من نفسی	بخدا! اب آپ میری جان سے بھی زیادہ مجھے محبوب ہیں۔
فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
الآن یا عمر (رضی اللہ عنہ)![1]	اے عمر! اب ٹھیک ہے۔

اسی سلسلے میں ارشادِ خداوندی ہے کہ

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ	اے نبی! کہدو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز واقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں۔ تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الایمان والنذور۔ باب کیف کانت یمین النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ الروبی والخمس فی حدیث ۲۷

بِأَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (التوبہ-۲۴)
سے آئے۔ اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا۔

اَلنَّبِىُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (الاحزاب-٦)
بلاشبہ نبی تو اہل ایمان کے لیے ان کی اپنی ذات پر مقدم ہے۔

صحیحین میں مروی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

انا أولى بكل مؤمن من نفسه[1] مومن کی اپنی جان سے بھی میں مقدم ہوں۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر نہ عذاب الٰہی سے نجات مل سکتی ہے اور نہ ہی رحمتِ خداوندی تک رسائی ممکن ہے۔ نجات تبھی ممکن ہے جب کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں، اس سے محبت رکھیں، اس سے دوستی قائم کریں اور اس کی اتباع کو اپنا نصب العین قرار دیں۔ یہی وہ گوہر نایاب ہے جو دنیا و آخرت میں عذاب الٰہی سے نجات کا باعث بن سکتا ہے۔ اسی سے دنیا و آخرت کی خیر اور بھلائی مل سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے تمام انعامات میں سب سے بڑا انعام ایمان ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ ہمارے اپنے نفوس و اموال سے کہیں زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نافع ہیں۔ ربِ کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی وجہ سے انسانوں کو ظلمات سے نکال کر ہدایت کی طرف لاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا راستہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر مل جانا ممکن ہی نہیں۔ انسان کا اپنا نفس اللہ کی پکڑ سے کفایت نہیں کرے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوق خدا کو اللہ تعالیٰ کے اذن سے اس کی طرف دعوت

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الفرائض باب قول النبی من ترک مالاً صحیح مسلم۔ کتاب الفرائض۔ باب من ترک مالاً فلورثتہ صحیحین کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں انا اولٰی بالمؤمنین من انفسہم امام ابن تیمیہ نے جو الفاظ نقل کیے ہیں وہ سنن ابی داؤد میں منقول ہیں۔

دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی صفت کو ربِ کریم بیان کرتا ہے کہ

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا ۝ (احزاب ۴۵-۴۶)

اے نبی! ہم نے تمھیں بھیجا ہے گواہ بنا کر، بشارت دینے والا۔ اور ڈرانے والا بنا کر۔ اللہ کی اجازت سے اس کی طرف دعوت دینے والا بنا کر۔ اور روشن چراغ بنا کر۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف غیر اللہ کی طرف بلاتا ہے اور جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتا ہے وہ اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے۔ لفظ باذنہ سے احکامِ الٰہی مراد ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ ۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي ۖ (یوسف ۱۰۸)

تم ان سے صاف کہہ دو کہ میرا راستہ تو یہ ہے کہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی۔

جو شخص اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرتا ہے وہ علی وجہ البصیرت دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام دیتا ہے بخلاف اس شخص کے جو بغیر علم کے حکم کرتا ہے یا ایسی بات کہتا ہے جو منزل من اللہ نہیں ہے جیسے کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَمَا لَيْسَ لَهُم بِهِ عِلْمٌ ۗ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصِيرٍ ۝ (الحج ۷۱)

یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کر رہے ہیں جن کے لیے نہ تو اس نے کوئی سند نازل کی ہے اور نہ یہ خود ان کے بارے میں کوئی علم رکھتے ہیں ان ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا حکم دیا یا جن حقوقِ رسول کی طرف بلایا ان کا حجرہ مبارک سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی کوئی حکم حجرۂ نبوی سے خاص ہے بلکہ وہ ایسے اعمال ہیں جو دُنیا کے کسی بھی حصے میں ادا کیے جاسکتے ہیں۔ جیسے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دوستی کرنا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو لوگوں تک پہنچانا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق جہاد کرنا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوستوں سے دوستی رکھنا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دُشمنوں سے عداوت رکھنا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام کہنا۔

ہر وہ کام جسے اللہ تعالیٰ پسند کرے یا جس سے قرب الٰہی حاصل ہو اُس پر عمل کرنے کے لیے حجرۂ نبوی کا قُرب ضروری نہیں اور نہ ہی وہ حجرہ کے قریب فضیلت رکھتا ہے۔ خواہ وہ درود و سلام کی صورت میں ہو یا کوئی دوسرا عمل۔ بلکہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس بات سے منع فرمایا ہے کہ آپ کے گھر کو عید بنالیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی کسی چیز کے اختصاص کے لیے آپ کے گھر کے قصد سے منع فرمایا ہے۔

اب جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ درود و سلام یا کوئی دوسرا عمل حجرہ کے قریب افضل ہے تو ایسا شخص رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف ہے۔

یہ تو وُہ چیزیں ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان آپ کی رسالت کا اقرار اور آپ پر درُود اور سلام جیسے مشروع اعمال میں سے ہیں لیکن

ہر وہ کام جسے اللہ تعالیٰ نے مقرر نہیں فرمایا یا اس پر کوئی دلیل و برہان نازل نہیں کی بلکہ

اس سے منع فرمایا گیا جیسے۔

- غیر اللہ کو پکارنا
- ملائکہ انبیاء یا کسی بھی غیر اللہ کی عبادت کرنا۔
- صالحین کی قبروں کی طرف بنیت سفر باندھنا۔ وغیرہ

ان امور کی طرف وہی شخص بلائے گا جو علم سے کورا ہوگا اور نہ ہی اس کے پاس کتاب و سنت کی کوئی دلیل و برہان ہوگی۔

پس یہ ایسے لوگوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرتے ہیں جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ جس کے جواز پر کوئی دلیل نازل نہیں کی گئی اور نہ ہی ان کے پاس علم ہے۔ مندرجہ ذیل آیت میں اللہ نے اپنے اور آنحضرت کے حقوق میں فرق کی وضاحت کی ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○ (النور: ۵۲)

اور کامیاب وہی ہیں جو اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کریں اور اللہ سے ڈریں۔

- پس اطاعت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی۔
- ڈر اور خوف صرف اللہ سے۔
- تقویٰ اللہ پر۔
- مخلوق سے ڈر نہ ہو۔
- مخلوق میں سے کسی نبی، ولی اور بادشاہ پر تقویٰ نہ ہو —— ارشاد خداوندی ہے:

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ○ وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اور اللہ کا فرمان ہے کہ دو خدا نہ بنا لو۔ خدا تو بس ایک ہی ہے لہٰذا تم مجھی سے ڈرو۔ اسی کا ہے وہ سب کچھ جو آسمانوں میں

وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ۝
(النحل ۵۱-۵۲)

ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور خالص اسی کا دین چل رہا ہے۔ پھر کیا اللہ کو چھوڑ کر تم کسی اور سے تقوی کروگے؟

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰۗىِٕكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ (التوبہ ۱۹)

اللہ کی مسجدوں کے آباد کار تو وہی لوگ ہوسکتے ہیں جو اللہ اور روز آخر کو مانیں اور نماز قائم کریں۔ زکوۃ دیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔ انہی سے یہ توقع ہے کہ سیدھی راہ چلیں گے۔

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ (مائدہ-۴۴)

پس تم لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔ اور میری آیات کو ذرا ذرا سے معاوضے لے کر بیچنا چھوڑ دو۔

درج ذیل آیت سے حقوق اللہ اور حقوق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مزید فرق واضح ہوتا ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۝
(توبہ-۵۹)

کیا ہی اچھا ہوتا کہ اللہ اور رسول نے جو کچھ بھی انھیں دیا تھا اس پر وہ راضی رہتے اور کہتے کہ اللہ ہمارے لیے کافی ہے۔ وہ اپنے فضل سے ہمیں اور بہت کچھ دے گا اور اس کا رسول بھی ہم پر عنایت فرمائے گا۔ ہم اللہ ہی کی طرف نظریں جمائے ہوئے ہیں۔

اللہ نے اس آیت میں اپنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کے لیے لفظ ایتاء استعمال فرمایا ہے۔ کیونکہ ہمارے اور اللہ کے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی واسطہ ہیں۔ احکام انہی کی تبلیغ

حلال و حرام میں فرق۔ جزا و سزا کا بیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کام ہے۔

- حلال وہ جسے اللہ اور اس کا رسول حلال فرمائیں۔
- حرام وہ جسے اللہ اور اس کا رسول حرام قرار دیں۔
- دین وہ جسے اللہ اور اس کا رسول مقرر کریں۔

رب کریم فرماتا ہے کہ

وَمَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ (الحشر۔ ۷)	جو کچھ رسول تمھیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے اُس سے رُک جاؤ۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ (التوبہ۔ ۵۹)	کیا ہی اچھا ہوتا کہ اللہ اور رسول نے جو کچھ بھی انھیں دیا تھا اس پر وہ راضی رہتے اور کہتے کہ اللہ ہمارے لیے کافی ہے۔

اس آیت کریمہ میں "ورسولہ" نہیں کہا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی تمام مومنین کے لیے کافی وشافی ہے۔ جیسے فرمایا

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الانفال۔ ۶۴)	اے نبی! تمھارے لیے اور تمھارے پیرو اہلِ ایمان کے لیے تو بس اللہ کافی ہے۔

مطلب یہ کہ اے نبی! صلی اللہ علیہ وسلم آپ ور سب مومنین کے لیے صرف اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ	تم لوگ خدا کو چھوڑ کر جنھیں پکارتے ہو

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ
الیٰ

وہ تو محض بندے ہیں جیسے تم بندے ہو
الیٰ

قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ○ اِنَّ وَلِيِّ َۧ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ○
(الاعراف ۱۹۴-۱۹۶)

اے نبی! ان سے کہو کہ بلا لو اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو پھر تم سب مل کر میرے خلاف تدبیریں کرو اور مجھے ہرگز مہلت نہ دو۔ میرا حامی و ناصر وہ خدا ہے جس نے یہ کتاب نازل کی ہے اور نیک آدمیوں کی حمایت کرتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ صالحین کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

هم الذين لا يعدلون بالله فيتولاهم وينصرهم ولا تضرهم عداوة من عاداهم

یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے برابر کسی کو قرار نہیں دیتے، پس وہ ان کو اپنا دوست بناتا اور ان کی مدد فرماتا ہے اور انہیں کسی کی عداوت نقصان نہیں پہنچا سکتی

ارشادِ الٰہی ملاحظہ فرمایئے۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ○
(المؤمن ۵۱)

یقین جانو کہ ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی مدد اس دنیا کی زندگی میں بھی یقیناً کرتے ہیں، اور اس روز بھی کریں گے جب گواہ کھڑے ہوں گے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ یوں کہتے ہیں۔

سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ○
(التوبہ ۵۹)

عنقریب ہمیں اللہ اپنے فضل سے نوازے گا اور اس کا رسول بھی۔ ہم اللہ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔

چنانچہ اللہ نے انھیں حکم دیا کہ وہ اللہ ہی سے رغبت رکھیں۔ ارشادِ الٰہی ہوتا ہے کہ:

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝ (الم نشرح ۷، ۸)	جب تم فارغ ہو تو عبادت کی مشقت میں لگ جاؤ اور اپنے رب ہی کی طرف راغب ہو۔

یہ سب اس لیے کہ زمین و آسمان میں کوئی مخلوق کسی مخلوق کے نفع و نقصان کی مالک نہیں۔ رب ذوالجلال کا ارشاد ہی ہے کہ:

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ۝ (بنی اسرائیل ۵۶، ۵۷)	ان سے کہو پکار دیکھو ان معبودوں کو جن کو تم خدا کے سوا (اپنا کارساز) سمجھتے ہو۔ وہ کسی تکلیف کو تم سے ہٹا سکتے ہیں نہ بدل سکتے ہیں جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کے حضور رسائی حاصل کرنے کا وسیلہ تلاش کر رہے ہیں کہ کون اس سے قریب تر ہو جائے اور اس کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے خائف ہیں حقیقت یہ ہے کہ تیرے رب کا عذاب ہے ہی ڈرنے کے لائق۔

سلفِ اُمت کی ایک جماعت جن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں کہتے ہیں کہ اس آیت سے وہ لوگ مراد ہیں جو ملائکہ اور انبیاء کی عبادت کیا کرتے تھے۔ جیسے حضرت مسیح علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام کے پجاری۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

"کچھ لوگ جنوں کی پوجا کیا کرتے تھے جن تو مسلمان ہو گئے لیکن یہ لوگ اپنے شرک پر ہی مُصر رہے۔"

مندرجہ بالا آیت ہر اُس شخص پر صادق آتی ہے جو ملائکہ، انسانوں یا جنوں میں سے کسی کو پکارے، خواہ وہ اللہ کے ہاں صالح اور مقرب ہی کیوں نہ ہو۔ ارشادِ الٰہی ہے:

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ	ان سے کہو پکار دیکھو ان معبودوں کو جن کو تم
مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ	خدا کے سوا (اپنا کارساز) سمجھتے ہو وہ کسی
كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا	تکلیف کو تم سے ہٹا سکتے ہیں نہ بدل سکتے
تَحْوِيْلًا ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ	ہیں۔ جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے
يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ	رب کے حضور رسائی حاصل کرنے کا وسیلہ
الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَ	تلاش کر رہے ہیں کہ کون اس سے قریب تر ہو
يَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ	جائے اور اس کی رحمت کے اُمیدوار اور اس
عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ	کے عذاب سے خائف ہیں حقیقت یہ ہے
رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ○	کہ تیرے رب کا عذاب ہے ہی ڈرنے کے
(الاسراء ۵۶-۵۷)	لائق۔

ابن عطیہ رحمۃ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اُن کے معبود بذات خود قرب الٰہی کے متلاشی رہتے تھے، حقیقتِ حال یہی ہے۔

رَبِّهِم کی ضمیر قربِ الٰہی کے متلاشیوں یا سب کی طرف راجع ہے۔

وسیلہ اس سبب کو کہا جاتا ہے جو منزلِ مقصود تک پہنچنے میں مدد دے۔ توسّل مقصود و مطلوب کی طلب کا نام ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اسی معنی پر دلالت کرتا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ مَنْ سَأَلَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ

بعض مفسرین نے درج ذیل بحث بھی کی ہے، کہ

ہم مبتدا ، اقرب خبر ہے ۔ ان سے مراد معبودان باطلہ ہیں۔ یدعون کی ضمیر کفار، اور یبتغون کی ضمیر معبودان باطلہ کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ ان کی نظر اور ان کا مرکز یہ ہے کہ ان میں سے کون اللہ کے قریب زیادہ ہے۔

غزوۂ خیبر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ

فبات الناس یدوکون ایھم یعطاھا۔ لوگ رات بھر اس پر غور و فکر کرتے رہے کہ وہ کون خوش نصیب ہوگا جسے صبح جھنڈا عطا کیا جائے گا۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ طلب قرب میں وہ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

ابن عطیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ زجاج نے اس مقام پر ٹھوکر کھائی ہے۔ کیونکہ اس نے آیت "ایھم اقرب" میں دو قول نقل کیے ہیں جو غلط ہیں۔ ابن جوزی نے بھی زجاج ہی کی بات نقل کی ہے اور مہدوی اور بغوی وغیرہ نے بھی اُن کی اتباع کی ہے۔

ابن عطیہ رحمہ اللہ ان سب سے زیادہ عربی لغت اور معانی کے ماہر تھے اس بارے میں ابن عطیہ رحمہ اللہ نے سیبویہ اور بصریوں کا مسلک بھی نقل کیا ہے جس سے زجاج کی ٹھوکر واضح ہو جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ زجاج عربی کا ماہر اور اسے بیان و معانی میں ید طولیٰ حاصل تھا اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اکثر امور میں زجاج، مہدوی اور بغوی وغیرہ ابن عطیہ پر فوقیت رکھتے ہیں لیکن عربی نقطۂ نگاہ سے الفاظ کی دلالت میں ابن عطیہ ان پر فوقیت اور زیادہ باخبر تھا۔

ان آیات میں اللہ نے وضاحت سے بیان کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام اگرچہ رسول تھے لیکن اس کے باوجود وہ اللہ کے بندے تھے جس نے مسیح علیہ السلام کی عبادت کی، اس نے ایسے شخص کی عبادت کی جو نفع دے سکتا ہے نہ نقصان۔ ارشادِ الٰہی ہے :

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا
إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ
وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ
اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ
مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ
عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ۖ وَمَا
لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ۝ لَقَدْ كَفَرَ
الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ۘ
وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۚ وَإِن
لَّمْ يَنتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ
الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ
أَلِيمٌ ۝ أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ
وَيَسْتَغْفِرُونَهُ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝
مَّا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ
قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۖ وَ
أُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَانِ
الطَّعَامَ ۗ انظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ
لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انظُرْ أَنَّىٰ
يُؤْفَكُونَ ۝ قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِن
دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا
وَلَا نَفْعًا ۚ وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ

یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنھوں نے کہا، اللہ
مسیح ابن مریم ہی ہے حالانکہ مسیح نے کہا تھا،
اے بنی اسرائیل! اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب بھی
ہے اور تمہارا رب بھی۔ جس نے اللہ کے ساتھ
کسی کو شریک ٹھہرایا اس پر اللہ نے جنت حرام
کردی اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور ایسے ظالموں
کا کوئی مددگار نہیں۔ یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے
جنھوں نے کہا کہ اللہ تین میں سے ایک ہے،
حالانکہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔
اگر یہ لوگ اپنی ان باتوں سے باز نہ آئے تو ان
میں سے جس جس نے کفر کیا ہے اس کو دردناک
سزا دی جائے گی۔
پھر کیا یہ اللہ سے توبہ نہ کریں گے اور اس سے
معافی نہ مانگیں گے؟ اللہ بہت درگزر فرمانے والا
اور رحم کرنے والا ہے۔ مسیح ابن مریم
اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول تھا۔ اس
سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے
اس کی ماں ایک راست باز عورت تھی۔ اور وہ
دونوں کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو ہم کس طرح ان کے
سامنے حقیقت کی نشانیاں واضح کرتے ہیں پھر
دیکھو یہ کدھر الٹے پھرے جاتے ہیں۔ ان سے

نفسه ○ کہو کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اس کی پرستش کرتے ہو جو
(المائدہ ۔ ۷۶) نہ تمہارے لیے نقصان کا اختیار رکھتا ہے نہ نفع
کا۔ حالانکہ سب کی سننے والا اور سب کچھ
جاننے والا تو اللہ ہی ہے۔

رب کریم نے مخلوق میں سے افضل ترین شخص کو یہ کہا کہ وہ خود اعلان کرے کہ میں تو اپنی
جان کو بھی نفع دے سکتا ہوں نہ نقصان۔ ارشادِ خداوندی ہے:

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (الاعراف ۔ ۱۸۸)	اے نبی! ان سے کہو کہ میں اپنی ذات کے لیے کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔
قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ○ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ○ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ (الجن ۔ ۲۱ ۔ ۲۳)	کہو، میں تم لوگوں کے لیے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں نہ کسی بھلائی کا۔ کہو، مجھے اللہ کی گرفت سے کوئی بچا نہیں سکتا اور نہ میں اس کے دامن کے سوا کوئی جائے پناہ پا سکتا ہوں۔ میرا کام اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ کی بات اور اس کے پیغامات پہنچا دوں

یعنی اگر میں رب کریم کی نافرمانی کروں تو مجھے بھی پناہ دینے والا اور اللہ کے عذاب سے
بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ ارشاد ربانی ہے

قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ○ (الانعام ۔ ۱۵)	کہو، اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو ڈرتا ہوں کہ ایک بڑے خوفناک دن مجھے سزا بھگتنی پڑے گی۔

ولن اجد من دونه ملتحدا : یعنی میری پناہ گاہ کوئی نہیں۔
الا بلاغا من الله ورسلته : یعنی اللہ کی اطاعت کے سوا مجھے کوئی پناہ نہیں دے

سکتا اور یہ کہ میں اس کے احکام لوگوں تک پہنچا دوں۔ یہی وہ عمل صالح ہے جس کی بدولت امن اور پناہ مل سکتی ہے۔

لا املک لکم ضرا ولا رشدا : کا ایک مفہوم یہ بھی منقول ہے کہ میں تبلیغ رسالت کے علاوہ کسی چیز کا مالک و متصرف نہیں۔ قرآن کریم میں اس کی امثلہ بے شمار ہیں۔

پس یہ بات اظہر من الشمس ہوئی کہ اللہ کے عذاب سے بچاؤ اور حصول سعادت صرف اطاعت ہی میں مضمر ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ ۚ (النساء۔۱۴۷)

آخر، اللہ کو کیا پڑی ہے کہ تمہیں خواہ مخواہ سزا دے اگر تم شکر گزار بندے بنے رہو اور ایمان کی روش پر چلو۔

قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ (الفرقان۔۷۷)

اے نبی، لوگوں سے کہو، میرے رب کو تمہاری کیا حاجت پڑی ہے اگر تم اس کو نہ پکارو۔

یعنی اگر تم اس طرح نہ پکارو جس طرح اس نے حکم دیا ہے کہ اس کی اطاعت کرو اور اس کی عبادت کرو اور اس کے رسولوں کی اتباع کرو تو پھر وہ تمہاری پرواہ تک نہ کرے گا۔

عمل ہی وہ وسیلہ ہے جس کا حکم رب کریم نے دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ (المائدہ۔۳۵)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور اس کی جناب میں باریابی کا ذریعہ تلاش کرو۔

ابن عباس، مجاہد، عطاء اور فراء جیسے مفسرین نے لکھا ہے کہ وسیلہ سے مراد قرب ہے۔

قتادہ رحمۃ اللہ کا کہنا ہے کہ

"جن اعمال سے اللہ راضی ہوتا ہے ان پر عمل کر کے اس کا قرب حاصل کرو۔"

ابو عبید رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ

توسلت الیہ کے معنی تقربت کے ہیں۔ یعنی میں نے اس کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کی۔

عبدالرحمٰن بن زید کا قول یہ ہے کہ

تجنب اور تقرب الی اللہ کی صورت صرف ایک ہی ہے وہ یہ کہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جائے۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور اس کی اطاعت کرنا ہی اللہ اور بندے کے درمیان وسیلہ ہے۔ ایمان اور اطاعت کے بغیر کوئی وسیلہ نہیں ہے جسے اختیار کیا جا سکتا ہو۔

اس وقت پوری مخلوق کا اللہ کے ہاں پہنچنے کا وسیلہ صرف یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا جائے اور اس کی طاعت و فرمانبرداری کی جائے۔

انسان جہاں بھی ہو اسے حکم ہے کہ ایمان بالرسول اور اس کی طاعت کرے البتہ جو عبادت کسی خاص مقام سے مختص ہیں وہ وہیں ادا کی جائیں جہاں اور جس وقت ادا کرنے کا حکم ہے جیسے حج، روزہ اور جمعہ۔

رہا حجرۂ مبارک، تو اس کی دیواروں کو کوئی خصوصیت ہے ورنہ اندرونی حصے کو۔ اور نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کی کوئی وجہ جواز بتائی۔

ائمہ اسلام کا اتفاق ہے کہ حجرۂ مبارک سے بُعد اور قربِ الٰہی افضل ترین اعمال ہیں۔

رہی مسجدِ نبوی! تو قبرِ مکرم سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ہی سے اس کی فضیلت مسلم ہے۔ لہٰذا قبرِ مکرم کی وجہ سے مسجد کو کوئی فضیلت نہیں ہے۔

قبرِ مکرم یا کسی دوسری قبر پر اعتکاف کرنا یا اس کے قریب بیٹھ جانے کو کسی عالم، کسی صحابی اور خود رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مستحب قرار نہیں دیا اور نہ ہی کسی قبر کے نزدیک مکان بنانے کا قصد کرنا چاہیے۔ مدینہ طیبہ میں اس شخص کو فضیلت حاصل ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے جیسے وہ لوگ جنھیں ہجرت کا حکم تھا۔ اس وقت بلاشبہ مدینہ منورہ میں رہائش مکہ مکرمہ سے بھی افضل تھی بلکہ مدینہ منورہ میں رہنا واجب تھا لیکن فتح مکہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ

لا ھجرۃ بعد الفتح ولکن جہاد و نیۃ	فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں۔ بلکہ جہاد در نیت ہے۔

فتح مکہ کے بعد جو شخص مکہ مکرمہ یا کسی اور جگہ سے مدینہ منورہ اس نیت سے جاتا کہ وہاں رہائش اختیار کرے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے واپس جانے کا حکم دے دیتے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حج کے اختتام پر لوگوں کو مکہ چھوڑنے کا حکم دیتے تاکہ اہل مکہ کو تکلیف نہ ہو اور وہ تنگی محسوس نہ کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو بوقت ہجرت دوسرے علاقوں میں دعوت وغیرہ کی ذمہ داری سونپ کر بھیجا کرتے تھے۔

جب مدینہ منورہ دار ہجرت تھا اس وقت مدینہ سے دور جانا افضل ترین اطاعت نہ ٹھہرا تو ہجرت کے بعد کا کیا حکم ہوگا۔ یہ اس شخص کی بات ہے جسے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت نفع بخش ہو اور جو شخص ایسا نہیں ہے تو اُسے قبر مکرم کا قرب فائدہ مند نہ ہوگا۔ جیسے صحیح بخاری کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

یا فاطمۃ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لا اغنی عنك من اللہ شیئا	اے میری لخت جگر فاطمہ رضی اللہ عنہا میں اللہ کے ہاں تمہاری کسی قسم کی کفایت نہ کر سکوں گا۔
یا صفیۃ عمۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا اغنی عنك من اللہ شیئا	اے میری پھوپھی صفیہ رضی اللہ عنہا میں اللہ کے ہاں تمہاری کسی قسم کی کفایت نہ کر سکوں گا۔
یا عباس عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا اغنی عنك من اللہ شیئا[1]	اے میرے چچا عباس رضی اللہ عنہ میں اللہ کے ہاں تمہاری کسی قسم کی کفایت نہ کر سکوں گا۔

ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ان آل ابی فلان لیسوا لی باولیاء انما ولی اللہ وصالح المؤمنین[2]	اللہ تعالیٰ اور صالح مؤمنین کے سوا میرا کوئی ولی اور دوست نہیں ہے۔

---

[1] صحیح بخاری۔ تفسیر سورۃ الشعراء۔ صحیح مسلم کتاب الایمان۔ باب قولہ تعالیٰ۔ وانذر عشیرتک الاقربین۔

[2] بخاری۔ کتاب الادب۔

یک دوسرے موقع پر ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے

ن ولیائی المتقون حیث کانو ومن کانوا — متقین جہاں بھی ہوں وہ میرے ولی اور دوست ہیں۔

رشادِ خداوندی ہے :

اِنَّ اللّٰہَ یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (الحج - ۳۸) — یقیناً اللہ مدافعت کرتا ہے ان لوگوں کی طرف سے جو ایمان لائے ہیں۔

مومنین جہاں بھی ہوں اللہ کریم ان کے ایمان کی وجہ سے ان کی مدافعت کرتا ہے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبات میں فرمایا کرتے تھے کہ

من یطع اللہ ورسولہ فقد رشد ومن یعصہما فانہ لا یضر الا نفسہ ولن یضر اللہ شیئا [1] — جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ رشد وہدایت پر ہے اور جو اُن کی مخالفت کرتا ہے وہ اپنی ہی ذات کو نقصان پہنچاتا ہے وہ اللہ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔

فرمانِ الٰہی ہے :

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا ۝ (النساء - ۶۹) — جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین۔ کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں۔

بعض لوگوں کا یہ گمان رکھنا دینِ اسلام کے خلاف ہے کہ جن شہروں میں انبیاء وصالحین کی قبریں ہیں اس لیے وہاں مشکلات ومصائب کا نزول نہیں ہوتا۔

---

[1] سنن ابی داود ۔ کتاب الجمعہ ۔ باب الرجل یخطب علی قوس ۔

اسی طرح یہ خیال کرنا بھی غلط ہے کہ بغداد میں مصائب اس لیے ٹل جاتی ہیں کہ وہاں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ، بشر الحافی اور منصور بن عمار کی قبریں ہیں۔

اور شام میں اس لیے وبا داخل نہیں ہوتی کہ وہاں انبیاء اور خصوصاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبریں ہیں۔

اور مصر اس لیے محفوظ ہے کہ وہاں نفیسہ وغیرہ کی قبور ہیں۔

اور حجاز میں اس لیے وبا کا آنا مشکل ہے کہ وہاں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ اور اہل بقیع کا مسکن ہے۔

یہ سب بدگمانیاں ہیں جو دینِ اسلام اور کتاب و سنّت اور اجماعِ اُمّت کے خلاف ہیں۔

بیت المقدس ہی کو دیکھیے کہ وہاں کتنے ہی انبیاء و صالحین کی قبریں تھیں جب لوگوں (وہاں کے رہنے والوں) نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی مخالفت کی تو ان پر ایسے حاکم مسلّط کر دیے گئے جنھوں نے اس نافرمانی کا مزہ چکھا دیا۔

انبیاء علیہم السلام وفات پا چکے ہیں اور ان کا مشن یہ تھا کہ وہ دینِ اسلام اور احکامِ ربانی لوگوں تک پہنچا دیں چنانچہ انھوں نے اپنے اس فریضے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی ہدف تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد ہے

إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ ۗ (شوریٰ-۴۸) تم پر صرف بات پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔

وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۝ (النور-۵۴) رسول کی ذمہ داری اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ صاف صاف حکم پہنچا دے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص کی مدد و نصرت کی ضمانت دی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے گا لیکن جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی اور شریعت کی مخالفت کرے گا وہ عذاب کا مستحق ہوگا اور پھر اسے اللہ کے عذاب سے کوئی نہ بچا سکے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واشگاف الفاظ میں فرمایا تھا:

یا عباس، یا عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا اغنی عنک من اللہ شیئا

اے میرے چچا عباس رضی اللہ عنہ میں اللہ کے ہاں تمہاری کسی قسم کی کفایت نہ کرسکوں گا۔

یا صفیۃ عمۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا اغنی عنکِ من اللہ شیئا

اے میری پھوپھی صفیہ رضی اللہ عنہا میں اللہ کے ہاں تمہاری کسی قسم کی کفایت نہ کرسکوں گا۔

یا فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا اغنی عنکِ من اللہ شیئا۔

اے میری لختِ جگر فاطمہ رضی اللہ عنہا میں اللہ کے ہاں تمہاری کسی قسم کی کفایت نہ کرسکوں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی صحابی کو کوئی عہدہ اور منصب عطا کرتے تو اسے یوں نصیحت فرماتے کہ دیکھو۔

لا الفین احدکم یاتی یوم القیامۃ علی رقبتہ بعیر لہ رغاء یقول: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اغثنی۔ فاقول: لا املک لک من اللہ شیئا قد بلغتک[۱]

میں تم میں سے کسی کو قیامت کے دن اس حالت میں نہ دیکھوں کہ اس کی گردن پر اونٹ چیخ وپکار کر رہا ہو اور انسان یہ دہائی دے کہ یا رسول اللہ! میری مدد فرمائیے۔ اور میں یہ جواب دوں کہ میں نے تم کو دنیا میں سمجھا دیا تھا۔ اب اللہ کے حضور میں تیری مدد نہیں کرسکتا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں اہل مدینہ کا یہ حال تھا کہ دنیا و آخرت کے امور میں یہ لوگ افضل ترین اور دنیا کے رہبر تھے۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ انھوں نے اطاعت رسول کو اپنا نصب العین بنا لیا تھا۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ایسی تبدیلیاں ہوئیں کہ خلافت ان کے ہاتھوں سے نکل گئی اور یہ لوگ رعایا بن کر رہ گئے۔ اس کے بعد بھی حالات بد سے بدتر ہوتے

---

[۱] صحیح بخاری، کتاب جہاد، باب غلول۔ صحیح مسلم، کتاب امارۃ، باب غلظ تحریم غلول

چلے گئے۔ نتیجہ بایں جا رسید کہ قتل و غارت اور مصائب و آلام نے مدینہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اور ایسے ایسے سنگین واقعات پیش آئے کہ اہلِ مدینہ ان کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔

اہلِ مدینہ کے ساتھ جس شخص نے جو سلوک روا رکھا اگرچہ وہ ظالم اور سرکش تھا لیکن ان لوگوں سے زیادہ شقی القلب نہ تھا جنھوں نے رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کو تکلیفیں دی تھیں۔ ربِّ ذوالجلال ارشاد فرماتا ہے

أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُم مُّصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُم مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّىٰ هَٰذَا ۖ قُلْ هُوَ مِنْ عِندِ أَنفُسِكُمْ ۗ (آل عمران:۱۶۵)

اور یہ تمھارا کیا حال ہے کہ جب تم پر مصیبت آ پڑی تو تم کہنے لگے یہ کہاں سے آئی؟ اے نبیؐ! ان سے کہو، یہ مصیبت تمھاری اپنی لائی ہوئی ہے

یہ حالات اس وقت پیش آئے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سابقون الاولون مدینہ میں مدفون تھے۔

ابتدائے اسلام میں شام کا بھی یہی حال تھا۔ یہ لوگ دین و دنیا کی سعادت و سیادت سے مالا مال تھے۔ لیکن ان کی بدعملیوں کی وجہ سے فتنہ و فساد نے شام کو اپنا مسکن بنا لیا حتیٰ کہ ملک و سلطنت بھی ان کے ہاتھ سے چھن گئی۔ ملحد، منافق اور نصاریٰ نے ان پر اپنا تسلط قائم کر لیا اور بیت المقدس اور قبرِ خلیل کو اپنے کنٹرول میں لے لیا۔ بلکہ قبرِ خلیل کے گرد جو دیوار تھی اسے گرا کر کنیسہ میں تبدیل کر دیا۔

کافی عرصہ بعد جب اہلِ شام نے اسلام کو اپنا نصب العین بنایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی کھوئی ہوئی عزت واپس کر دی اور یہ لوگ اپنے دشمن پر غالب آ گئے۔

یہ نتیجہ تھا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری اور احکامِ الٰہی کو اپنے اندر سمو لینے کا۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ایک ایسا مرکز و محور ہے جس پر سعادتِ دنیا و آخرت کا دارومدار ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے کہ

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ (النساء - ٦٩)

جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین۔ کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبات میں فرمایا کرتے تھے کہ

من يطع الله ورسوله فقد رشد ومن يعصهما فانه لا يضر الا نفسه ولن يضر الله شيئا

جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے وہ رشد و ہدایت پر ہے اور جو ان کی مخالفت کرتا ہے وہ اپنی ہی ذات کو نقصان پہنچاتا ہے وہ اللہ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔

مکہ مکرمہ اہل مکہ کی تکالیف رفع نہیں کر سکتا اور نہ ہی ان کو رزق پہنچا سکتا ہے۔ ہاں! اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فراخیٔ رزق کا سبب بن سکتی ہے جیسا کہ حضرت خلیل الرحمٰن علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی تھی کہ

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۝ (ابراہیم - ٣٧)

پروردگار! میں نے ایک بے آب و گیاہ وادی میں اپنی اولاد کے ایک حصے کو تیرے محترم گھر کے پاس لا بسایا ہے۔ پروردگار! یہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ یہ لوگ یہاں نماز قائم کریں۔ لہٰذا تو لوگوں کے دلوں کو ان کا مشتاق بنا اور انھیں کھانے کو پھل دے۔ شاید کہ یہ شکر گزار بنیں۔

اہل جاہلیت بھی حرم مکی کی عظمت و توقیر کرتے تھے۔ بیت اللہ کا طواف کرتے، حج کرتے، عام

مشرکین سے مشرکینِ مکہ بہر حال بہتر تھے۔ اللہ کی سنت یہ ہے کہ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ اسی وجہ سے اللہ ان کی وہ عظمت کرتا جو عام مشرکین کی نہ کرتا تھا اور ایسے ایسے انعامات کی بارش کرتا جو دوسرے شہر والوں پر نہ ہوتی کیونکہ اہل مکہ دینِ ابراہیمی کو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے۔ وہ اسلام میں اگر دوسروں پر فضیلت لے گئے تو حسبِ فضیلت انھیں جزا ملے گی اور اگر ان کے اعمال دوسروں کی نسبت برے ہوئے تو اُن کے بُرے اعمال کے مطابق ہی سزا ہوگی۔

پس مساجد ہوں یا کوئی اور جگہ۔ اس کے رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی وجہ سے فائدہ پہنچتا ہے۔ صرف مقدس مقام کی وجہ سے ثواب ملتا ہے نہ عذاب۔ ثواب و عذاب کا دارومدار اعمالِ صالحہ اور سیئات سے اجتناب پر موقوف ہے۔

ذرا غور فرمایئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا تو سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور ابو درداء کے مابین اخوت ہوئی۔ ابو درداء رضی اللہ عنہ دمشق میں اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ عراق میں تھے۔ ابو درداء رضی اللہ عنہ نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ آپ ارض مقدس میں میرے ہاں تشریف لے آئیں۔ اس کے جواب میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے جو پیغام بھیجا وہ سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔ فرماتے ہیں

ان الارض لا تقدس احداً — ارض پاک کسی کو پاک باز نہیں بناتی بلکہ انسان کا
وانما یقدس الرجل عملہٗ — کردار اسے مقدس بناتا ہے۔

علماء کا اتفاق ہے کہ حرمین شریفین میں قیام کرنے سے سرحدوں پر اسلام کے لیے جہاد کرنا افضل ہے۔ صحابہ کرامؓ کا ہجرت و جہاد کے لیے مدینہ منورہ میں قیام کرنا افضل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سب مخلوق کو پیدا کیا۔ وہی ان کو ہدایت اور رزق عطا فرماتا ہے۔ وہی مدد کرتا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی شخص ذرہ بھر چیز کا مالک نہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے کہ

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم — اے نبی! (ان مشرکین سے) کہو کہ پکار دیکھو اپنے
مِّن دُونِ اللَّهِ ۖ لَا يَمْلِكُونَ — ان معبودوں کو جنھیں تم اللہ کے سوا اپنا معبود سمجھے
مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي — بیٹھے ہو۔ وہ نہ آسمانوں میں کسی ذرہ برابر چیز کے

الأرض وما لهم فيهما من شرك وما له منهم من ظهير ○ ولا تنفع الشفاعة عنده إلا لمن أذن له

(سبأ ۲۲-۲۳)

مالک ہیں نہ زمین میں۔ وہ آسمان و زمین کی ملکیت میں شریک بھی نہیں ہیں۔ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار بھی نہیں ہے اور اللہ کے حضور کوئی شفاعت بھی کسی کے لیے نافع نہیں ہو سکتی بجز اس شخص کے جس کے لیے اللہ نے سفارش کی اجازت دی ہو۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین لکھتے ہیں کہ
شفاعت کرنے والے اور جن کی شفاعت ہوگی دونوں کو اجازت ملے گی۔ کیوں کہ سیدنا [illegible] قیامت کے دن شفاعت کا ارادہ فرمائیں گے تو فرماتے ہیں کہ

فإذا رأيت ربي خررت له ساجدا وأحمده بمحامد يفتحها علي لا أحسنها الآن فيقال لي: ارفع رأسك وقل يسمع وسل تعطه واشفع تشفع. قال. فيحد لي حدا فأدخلهم الجنة

میں اللہ کو دیکھتے ہی سجدے میں گر جاؤں گا۔ اس وقت میرے قلب پر اللہ تعالیٰ ایسی تعریفیں وارد کرے گا، جو اب نہیں ہیں۔ مجھے حکم ہوگا کہ اپنا سر اٹھاؤ، اور سوال کرو۔ اور کہو، سنا جائے گا۔ سوال کرو تو دیا جائے گا۔ اور سفارش کرو قبول ہو گی۔ پھر میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی۔ جس کے اندر سفارش کر کے لوگوں کو جنت پہنچاؤں گا۔

دوسری اور تیسری بار بھی اسی طرح شفاعت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ولا يملك الذين يدعون من دونه الشفاعة إلا من شهد بالحق وهم يعلمون ○ (زخرف ۸۶)

اس کو چھوڑ کر یہ لوگ جنہیں پکارتے ہیں وہ کسی شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے اِلا یہ کہ کوئی علم کی بنا پر حق کی شہادت دے۔

اس آیت کریمہ میں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی شفاعت کا مالک نہیں ہے۔

اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ یہ استثنار منقطع ہے۔ یعنی جو حق کے شاہد ہیں انہی کا حق ہے شفاعت کرنے والا، اور جس کی شفاعت کی گئی ہے دونوں اس حکم میں داخل ہیں۔

صحیح بخاری میں روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ:

من اسعد الناس بشفاعتك يارسول الله (صلی اللہ علیہ وسلم)؟ فقال: يا ابا هريرة (رضی اللہ عنہ)! لقد ظننت ان لا يسألني عن هذا الحديث احد اولى منك لما رأيت من حرصك على الحديث۔

اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی شفاعت کا سب سے زیادہ کون مستحق ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مجھے یقین تھا کہ تمہارے سوا اس قسم کا سوال کوئی نہیں کرے گا کیونکہ مجھے علم ہے کہ تُو ہماری بات سننے کے لیے حریص ہے۔

أسعد الناس بشفاعتي يوم القيمة من قال لا إله إلّا الله خالصا من قبل نفسه (رواه البخاری)

قیامت کے دن ہماری سفارش کا سب سے زیادہ حق دار وہ شخص ہوگا جس نے اپنی نیت خلوص سے کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دی ہوگی۔

اس حدیث میں شفاعت کا سب سے زیادہ سعادت مند اسے قرار دیا گیا ہے جس کا اخلاص کامل ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول ثم صلوا علىّ فانه من صلى علىّ مرة صلى الله عليه بها عشرا۔ ثم سلوا الله لی الوسيلة فانها درجة فی الجنة لا تنبغی الا لعبد۔ فمن سأل الله

جب تم مؤذن کو اذان کہتے ہوئے سنو تو جو لفظ وہ کہتا ہے تم بھی وہی لفظ کہو۔ پھر مجھ پر درود پڑھو۔ کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے تو کریم اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتا ہے۔ پھر میرے لیے اللہ سے وسیلہ کی دعا کرو جو جنت کے درجات میں سے ایک درجہ ہے۔ وہ اللہ کے بندوں میں سے

لوسيلة حلت عليه شفاعتى يوم القيمة۔	ایک کے لیے خاص ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں گا۔ پس جو شخص میرے لیے وسیلہ کی دعا کرتا ہے قیامت کے دن اس کی سفارش مجھ پر حلال ہو جائے گی۔

جز عمل کے مطابق ہوگی جیسے من صلى عليه مرة صلى الله عليه بها عشرا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ

ومن سأل الله لى الوسيلة حلت عليه شفاعتى يوم القيمة۔

وسیلہ کے سوال کے جواب میں أسعد الناس بشفاعتی نہیں کہا گیا بلکہ اسعد الناس بشفاعتی یوم القيمة من قال خالصا من قبل نفسه

ثابت ہو کہ توحید اور اخلاص سے جس قدر شفاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہوگی وہ دوسرے عمل سے حاصل نہیں ہو سکتی، اگرچہ عمل صالح ہی کیوں نہ ہو جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وسیلہ کا سوال۔

لہذا ایسے اعمال سے کیسے شفاعت حاصل ہوگی جن کا حکم ہی نہیں بلکہ ان سے روک دیا گیا ہے۔ ایسے شخص کو نہ دنیا میں بھلائی نصیب ہوگی نہ قیامت کے دن نجات۔ جیسے نصاریٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں غلو کیا۔ یہ غلو بجائے فائدہ کے نقصان کا باعث ہوگا۔ صحیحین میں مروی حدیث میں موجود ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

ن لكل نبي دعوة مستجابة	تمام انبیاء کی ایک ایک دعا ضرور مستجاب تھی جو
و نى اختبأت دعوتى شفاعة لأمتى	دنیا ہی میں قبول کر لی گئی۔ لیکن میں نے اپنی دعا کو
يوم القيمة فهى نائلة إن شاء	محفوظ رکھا ہوا ہے تاکہ قیامت کے دن اپنی امت
لله من مات لا يشرك بالله	کی سفارش کروں۔ یہ ان شاء اللہ ہر اس
شيئا ؎	شخص کو پہنچے گی جو شرک کے بغیر فوت ہوا۔

؎ صحیح بخاری شریف، و صحیح مسلم شریف

شفاعت کے متعلق جتنی بھی احادیث مروی ہیں ان سب میں یہ بات واضح و غیر مبہم طور پر موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اہلِ توحید کی شفاعت کریں گے۔

جو شخص توحید میں جس قدر پختہ اور اپنے اعمال میں جس قدر مخلص ہوگا اسی معیار کے مطابق شفاعت کا مستحق ٹھہرے گا۔ رب کریم نے وعدہ و وعید، ثواب و عقاب، قدر و ذکر ایمان، توحید و اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر معلق کیا ہے۔

جس شخص کا ایمان کامل ہوگا وہی دنیا و آخرت میں اللہ کی دوستی کا زیادہ مستحق ہوگا۔ اللہ کی ساری مخلوق مسلمان ہو یا کافر سب کو اللہ ہی رزق دیتا ہے، وہی مصائب و مشکلات دور کرتا ہے۔ اللہ ہی ایک ذات واحد ہے جس کی طرف لوگ مصائب و مشکلات میں رجوع کرتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے

وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِلَيْهِ تَجْأَرُونَ ۝ (النحل-۵۳)

تم کو جو نعمت بھی حاصل ہے اللہ ہی کی طرف سے ہے، پھر جب کوئی سخت وقت تم پر آتا ہے تو تم لوگ خود اپنی فریادیں لے کر اسی کی طرف دوڑتے ہو

قُلْ مَنْ يَكْلَؤُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمَٰنِ (الانبیاء-۴۲)

اے نبی! ان سے کہو، کون ہے جو رات کو یا دن کو تمہاری رحمان کی بجائے نگرانی کرتا ہے

وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ يَخْلُفُونَ ۝ (الزخرف-۶۰)

ہم چاہیں تو تمہاری بجائے فرشتے متعین کر دیں جو زمین میں تمہارے جانشین ہوں۔

جو شخص یہ یقین کرے کہ نفع و نقصان پر قادر، مصائب و مشکلات کا ازالہ کرنے والے اولیاء، انبیاء اور صالحین کی قبوریں ہیں تو یہ شخص غلط کہتا ہے۔ نفع رسانی پر افضل ترین جگہ مکہ مکرمہ ہے جس کی عظمت و تقدیس مسلّم ہے۔ بایں ہمہ اہل مکہ پر اللہ تعالیٰ کا سخت ترین عذاب نازل ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس کی یوں وضاحت کرتا ہے

وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ

اللہ ایک بستی کی مثال دیتا ہے، وہ امن و اطمینان

آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝

(النحل ۱۱۲، ۱۱۳)

کی زندگی بسر کر رہی تھی اور ہر طرف سے اس کو بفراغت رزق پہنچ رہا تھا کہ اس نے اللہ کی نعمتوں کا کفران شروع کر دیا۔ تب اللہ نے ان کے باشندوں کو ان کی کرتوتوں کا یہ مزا چکھایا کہ بھوک اور خوف کی مصیبتیں ان پر چھا گئیں۔ ان کے پاس ان کی اپنی قوم میں سے ایک رسول آیا۔ مگر انہوں نے اس کو جھٹلایا۔ آخر کار عذاب نے ان کو آ لیا جب کہ وہ ظالم ہو چکے تھے

فصل
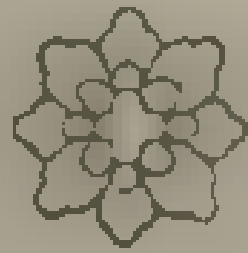
حکمران طبقے پر فرض ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت اور دینِ حق کی مدد پر کمربستہ ہوں اور اُسے عوام پر نافذ کریں۔ جن اُمور سے روکا گیا ہے انھیں ختم کریں اور ان افترات اور اکاذیب اور بدعتوں کا قلع قمع کریں جو شریعت میں داخل کر دی گئی ہیں۔ خواہ عمداً داخل کی گئی ہوں یا جہالت اور لاعلمی کی بنا پر۔ دینِ اسلام کا اصل یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عظیم اور اہم فریضہ کو بروئے کار لایا جائے۔ توحید نیکی کی جڑ اور شرک برائی کی انتہا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دینِ حق اور ہدایت دے کر مبعوث کیا گیا جنھوں نے توحید و شرک میں فرق واضح کیا۔ حق اور باطل میں تمیز کی، ہدایت اور گمراہی میں حدِ فاصل قائم کی، رشد و ہدایت اور غی، نیکی اور بدی میں فرق کیا۔

اب جو شخص امر کو نہی، اور نہی کو امر میں تبدیل کرنا چاہتا ہے اور دینِ اسلام اور شریعت مطہرہ میں ردوبدل کا خواہاں ہے خواہ لاعلمی کی بنا پر، یا کسی دنیاوی لالچ کی وجہ سے فعلِ قبیح کا مرتکب ہو رہا ہو تو حاکمِ وقت پر فرض ہو جاتا ہے کہ وہ ایسے لوگوں کا مُنہ بند کرے اور کتاب و سنّت کی حمایت و نصرت میں اپنی قوت خرچ کرے کیونکہ ربِ کریم کا پختہ وعدہ ہے کہ وہ اپنے رسولوں اور مومنین کی دُنیا اور آخرت میں مدد و نصرت کرے گا۔ پس جس خوش نصیب کے ہاتھ سے دینِ اسلام کی نصرت ہو جائے وہ دُنیا اور آخرت میں سرخرو اور سعادت مند ہو گا۔

اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ اپنے دین کی خدمت کسی اور شخص سے لے لے اور پھر ہر شخص کو اس کے عمل و کردار کے مطابق بدلہ دے کیونکہ ربِ کریم کی یہ صفت ہے کہ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ (تیرا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں) اور اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ حق کا ساتھ دیتا ہے اور جو شخص حق سے سرکنے

اور رُوگردانی کی کوشش کرتا ہے، اس کے بارے میں ربِّ کریم فرماتا ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ○ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا ۚ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

(التوبۃ ۳۸-۳۹)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمھیں کیا ہو گیا کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں نکلنے کے لیے کہا جاتا ہے تو تم زمین سے چمٹ کر رہ جاتے ہو۔ کیا تم نے آخرت کے مقابلہ میں دُنیا کی زندگی کو پسند کر لیا؟ ایسا ہے تو تمھیں معلوم ہو کہ دنیوی زندگی کا یہ سب سر و سامان آخرت میں بہت تھوڑا نکلے گا۔

تم نہ اٹھو گے تو خُدا تمھیں دردناک سزا دے گا۔ اور تمھاری جگہ کسی اور گروہ کو اٹھائے گا اور تم خدا کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔ اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○

(المائدۃ - ۵۴)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھرتا ہے (تو پھر جائے) اللہ اور بہت سے لوگ پیدا کر دے گا جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ ان کو محبوب ہو گا۔ جو مومنوں پر نرم اور کفار پر سخت ہوں گے جو اللہ کی راہ میں جدوجہد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اللہ وسیع ذرائع کا مالک ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔

ربِ ذوالجلال نے لوگوں کو یہ نقشہ ان کی اپنی جانوں اور دوسرے لوگوں میں آئینہ کی طرح دکھلادیا کہ وہ اپنے احکام و فرامین کی کیسے تصدیق کرتا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ربِ کریم فرماتا ہے

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۗ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ○ (حٰمٓ السجدۃ۔ ۵۳)

عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے۔ کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ تیرا رب ہر چیز کا شاہد ہے؟

وَاللّٰهُ أَعْلَمُ

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ